إن الفضل بيد الله يؤتيه من يشاء عسى أن يبعثك ربك مقاما محمودا

غلام احمد قادیانی

نمبر ۸۳۵ رجسٹرڈ ایل

تار کا پتہ الفضل قادیان

THE ALFAZL
QADIAN

الفضل

اخبار ہفتہ میں دوبار

قادیان

فی پرچہ ایک آنہ

ایڈیٹر غلام نبی

قیمت سالانہ پیشگی — ششماہی — سہ ماہی

جماعت احمدیہ کا مسلمہ آرگن جسے (۱۹۱۳ء میں) حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ نے اپنی ادارت میں جاری فرمایا

جلد ۱۳ | مورخہ ۷ مئی ۱۹۲۶ء یوم جمعہ مطابق ۲۱ شوال ۱۳۴۴ھ | نمبر ۱۰۸

مدینۃ المسیح

لاہور سے یہ اطلاع پہنچی تھی۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ منگل شام کی گاڑی سے روانہ ہو کر بٹالہ پہنچیں گے۔ اور وہاں سے بدھ صبح قادیان دارالامان میں رونق افروز ہونگے۔ بعد میں تار آیا۔ کہ بدھ کو روانہ ہو کر دیر وار تشریف لائیں گے۔ چنانچہ حضور تشریف لے آئے

خان ذوالفقار علی خان صاحب دو ہفتہ کی رخصت پر ۴ مئی دہلی تشریف لے گئے۔ نظارت اعلیٰ کا کام حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے سرانجام دینگے۔

جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کراچی پہنچ چکے ہیں۔ اور عنقریب قادیان تشریف لانیوالے ہیں۔

ٹورنیمنٹ مطابق پروگرام عصر کے بعد ہو رہا ہے اکثر احباب اس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔

امسال ۲۰ طلباء ۷ مئی کو امتحانات علوم مشرقی دینے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو کامیاب فرمائے۔

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ لاہور میں

(۴)

۳۰ اپریل ۱۹۲۶ء مغرب کے قریب حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو سردرد کا سخت دورہ ہو گیا۔ لیکن باوجود اس کے بعض اصحاب سے حضور نے ملاقات فرمائی۔ اور دیر تک گفتگو فرماتے رہے۔ اسی کی صبح کو مولوی عصمت اللہ صاحب جو غیر مبایعین کے مبلغ ہیں۔ ملاقات کے لئے حاضر ہوئے اور قریباً ایک گھنٹہ تک اختلافی مسائل پر سوالات کرتے رہے۔ جن کے حضور نے جواب دئیے۔ بارہ بجے کے قریب حضور کے حرم اول کی طبیعت یک لخت ناساز ہو گئی۔ قے اور دست شروع ہو گئے۔ لیکن جب حضور کو ایک صاحب کے متعلق جن کا نام ڈاکٹر محمد یوسف صاحب ہے۔ اطلاع دی گئی کہ ملاقات کے لئے آئے ہیں۔ تو حضور نے فوراً شرف ملاقات بخشا۔ اور باوجود حرم مبارک کے سخت تکلیف میں مبتلا ہونے کے اسوقت تک نہایت اطمینان خاطر سے ڈاکٹر صاحب سے گفتگو فرماتے اور ان کے سوالات کے جواب دیتے رہے

جب تک خود انہوں نے سب سوال پوچھ لینے کے بعد گفتگو بند نہ کر دی۔ اس کے بعد بھی حضور دیر تک مجلس میں رونق افروز رہے۔ اور احمدی احباب سے مختلف امور پر گفتگو فرماتے رہے۔

ایسی حالت میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا اس انہماک کے ساتھ تبلیغی گفتگو فرمانے سے معلوم ہو سکتا تھا۔ کہ حضور کو خدا تعالیٰ نے کس قدر اطمینان خاطر اور وسیع قلب عطا فرمایا ہے۔ ایسے وقت میں جبکہ بیمار کے پاس حضور کی موجودگی نہایت ضروری تھی۔ حضور نے یہ گوارا نہ فرمایا۔ کہ ایک شخص جو تحقیق حق کی غرض سے آیا ہے۔ اسے ملاقات سے محروم رکھیں۔ اور اس کے سوالات کا جواب دینے کے لئے کوئی اور وقت مقرر کریں۔ آپ اس اطمینان اور تسلی کے ساتھ سوالات کا جواب دیتے رہے۔ کہ قطعاً محسوس نہ ہو سکتا تھا کہ حضور کو کسی اور طرف بھی خیال ہے۔ یا کوئی اور بات حضور کی توجہ بٹا رہی ہے

کاش! خدا تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو دین کی خدمت کے متعلق اس انہماک کا عشر عشیر ہی عنایت فرمائے۔

---

(۵)

یکم مئی ۱۹۲۶ء - ظہر و عصر کی نمازیں جمع پڑھانے کے بعد حضور کی ملاقات کے لئے شیخ نور الٰہی صاحب انسپکٹر آف سکولز تشریف لائے - اور مختلف معاملات پر دیر تک گفتگو ہوتی رہی - مغرب اور عشار کی نماز کے بعد حضور احمدیہ ہوسٹل کے طلبار کی درخواست پر ان کی میٹنگ میں شمولیت کے لئے تشریف لے گئے - اور حضور کی صدارت میں قاضی محمد اسلم صاحب ایم اے پروفیسر گورنمنٹ کالج نے مذہب اور اخلاق کے متعلق انگریزی میں تقریر فرمائی ہے جسے حضور نے بہت پسند فرمایا - اور اگرچہ حضور کی طبیعت ناساز تھی - اور اسی وجہ سے حضور نے طلبار کی میٹنگ میں کوئی تقریر فرمانا منظور نہ کیا تھا - لیکن پروفیسر صاحب موصوف کی تقریر کے بعد جب حضور کھڑے ہوئے تو ایک گھنٹہ تک تقریر فرمائی جس میں طلبار کو نہایت مفید اور کارآمد نصائح فرمائیں -

۲ رمئی ۱۹۲۶ء - چونکہ اتوار تھا - اس لئے میانمیر گوجرات - فیروز پور - راولپنڈی اور کئی ایک دیہات کے بہت سے احباب حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے - اور حضور نے صبح کو انہیں ملاقات کا شرف بخشا - اور کئی گھنٹہ تک احباب میں رونق افروز رہے - دوران گفتگو میں حضور نے فرمایا - کہ میں شیعوں سے تقیہ کے متعلق ایک سوال کیا کرتا ہوں - اور وہ یہ کہ تقیہ خطرہ کے وقت افضل ہے یا ادنےٰ - اگر کہیں ادنےٰ - تو حضرت علی رضہ پر الزام آتا ہے - اور اگر کہیں اعلےٰ تو امام حسین زیر الزام آتے ہیں - کیونکہ شیعوں کا اعتقاد ہے کہ حضرت علی رضہ نے تقیہ کے طور پر حضرت ابوبکر رضہ - حضرت عمر رضہ اور حضرت عثمان رضہ کی بیعت کر لی تھی - ورنہ وہی خلیفہ بلافصل تھے اگر تقیہ ادنیٰ چیز تھی - تو حضرت علی رضہ نے کیوں اختیار کی اور اگر اعلیٰ چیز ہے - تو پھر امام حسین نے اس کے ذریعہ کیوں نہ اپنی جان بچالی - وہ بھی تقیہ کے طور پر بیعت کر لیتے -

دو بجے کے قریب میر مقبول محمود صاحب ممبر کونسل حضور کی ملاقات کے لئے آئے - اور مسلمانوں کی مذہبی اور سیاسی اصلاح کے متعلق حضور کے خیالات اور طریق کو معلوم کر کے بہت متاثر ہوئے - اور تجویز پیش کی - کہ اگر حضور بعض ایسے لوگوں کو جو مسلمانوں کی ترقی اور اصلاح کی کوشش کرتے رہتے ہیں - اور آپ سے حسن عقیدت رکھتے ہیں - اور ایک جگہ جمع کر کے اپنے خیالات اور تجاویز سے مستفیض فرمائیں تو بہت فائدہ ہو سکتا ہے -

ظہر و عصر کی نماز کے بعد تین اصحاب نے بیعت کی - جن کے نام حسب ذیل ہیں :- (۱) غلام سرور صاحب ہیلی خیل (۲) مہر محمد صاحب دوالمیال (۳) غلام محمد صاحب چونیاں ضلع لاہور - بیعت کے بعد ایک صاحب نے نہایت پُرجوش لہجہ میں عرض کی - حضور ہم جو غریب لوگ ہیں - حضور کے لئے جان دینے کے لئے تیار ہیں - اور ہم یہ صرف زبانی نہیں کہتا - اگر حکم ہو - تو ابھی میں اپنا خون حضور کے سامنے پیش کرنے کے لئے تیار ہوں - اور اپنے ہاتھ سے اپنا گوشت کاٹ کر سامنے رکھ سکتا ہوں ؂

ایک غیر احمدی نے سوال کیا - میرے ایک رشتہ دار بیعت کرنا چاہتے ہیں - لیکن اپنے بعض حالات کے ماتحت ان کا خیال ہے - کہ ان کی بیعت پوشیدہ رہے - کیا اس طرح وہ بیعت کر سکتے ہیں - حضور نے فرمایا - اگر وہ خود اپنے حالات پیش کریں - تب میں فیصلہ کر سکتا ہوں - کہ آیا ان کے حالات اس قسم کے ہیں یا نہیں - کہ ان کو بیعت کر کے اعلان نہ کرنے کی اجازت دی جائے - وہ حالات معلوم کئے بغیر میں کچھ نہیں کہہ سکتا ؂

چار بجے کے قریب جناب ڈاکٹر سیف الدین صاحب کچلو امرتسر سے حضور کی ملاقات کے لئے تشریف لائے جن سے حضور نے مسلمانوں کی تنظیم کے متعلق تفصیلی حالات معلوم کئے - اور شام کے آٹھ بجے تک ان سے گفتگو ہوتی رہی -

اسی دوران میں تین آریہ صاحبان جن میں سے ایک آریوں کے اپدیشک اور لیکچرار تھے - حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے - اور اپنی غرض صرف "درشن کرنا" بیان کی - اور تھوڑی دیر گفتگو کرنے کے بعد چلے گئے ؂

مغرب کے قریب جناب سید عبد القادر صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے جناب پروفیسر صاحب کو حضور کی ذات سے خاص انس اور محبت ہے - حضور نہایت تپاک سے انہیں ملے انہوں نے کہا - میں آج ہی امرتسر سے آیا ہوں - اور پھر شام کی گاڑی پر واپس جا رہا ہوں - ورنہ پہلے حاضر ہوتا - چونکہ مغرب کی نماز کا وقت ہو چکا تھا - اس لئے تھوڑی دیر گفتگو کے بعد حضور نماز کے لئے تشریف لے گئے ہیں - نماز کے بعد چھ اصحاب نے بیعت کی جن کے نام حسب ذیل ہیں :- (۱) میاں نصیر الدین صاحب درزی ریلوے روڈ (۲) میاں بشیر احمد صاحب درزی ریلوے روڈ لاہور (۳) میاں محمد سعید صاحب تھرڈ دایر اسلامیہ کالج (۴) سید محمد اشرف صاحب افغان (۵) میاں محمد عمر صاحب متعلم ٹیکنیکل ریلوے سکول لاہور (۶) منشی احمد حسین صاحب رہتاسکی - لاہور ؂

شام کو میاں چراغ الدین صاحب مرحوم و میاں معراج الدین صاحب وغیرہ کے خاندان نے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی مع حضور کے ہمراہیوں اور دیگر مہمانوں کے نہایت پُرتکلف دعوت کی - اور کھانے کے بعد پھلوں سے تواضع کی - اس سارے خاندان کو جو خدا کے فضل سے بہت بڑا خاندان ہے اور اس کے تمام چھوٹے بڑے افراد کو حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اور سلسلہ احمدیہ سے جس قدر اخلاص اور محبت ہے - وہ قابل رشک ہے - اسی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام - حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ اور حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت و شفقت کے مورد رہے ہیں - اور اب بھی ہیں -

دعوت کے بعد ایک شخص نے جن کا نام نذر محمد صاحب قریشی ساکن لاہور ہے - بیعت کی - اور دعا کے بعد حضور واپس تشریف لے آئے ؂

۳ رمئی ۱۹۲۶ء - صبح آٹھ بجے کے قریب حضور نے مولوی عصمت اللہ صاحب کو پھر ملاقات کا موقع دیا - مولوی صاحب نے ایسے امور کے متعلق سوالات کئے - جن پر بارہا نہایت تفصیل اور وضاحت سے روشنی ڈالی جا چکی ہے - اور سلسلہ کے لٹریچر کا مطالعہ کرنے والا بآسانی ان امور کے متعلق واقفیت حاصل کر سکتا ہے - تاہم حضور ان کے سوالات کے جواب ایک گھنٹہ تک دیتے رہے ؂

حرم اوّل حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی طبیعت جو یکا یک علیل ہو گئی اور بہت تشویشناک حالت ہو گئی تھی - خدا تعالیٰ کے فضل سے بحال ہو گئی ہے - اور اب کسی قسم کا اندیشہ باقی نہیں رہا - الحمد للہ ؂

نامہ نگار الفضل از لاہور - ۳ رمئی ۲۶ء

شکریہ احباب

بہت سے احباب کرام نے میری شادی کی خبر الفضل میں پڑھ کر مبارکباد کے خطوط لکھے ہیں - چونکہ میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے لاہور تشریف لانے اور دیگر مصروفیتوں کی وجہ سے فرداً فرداً احباب کا شکریہ ادا کرنے سے معذور ہوں - اس لئے بذریعہ اخبار تمام احباب کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں - اور درخواست کرتا ہوں - کہ احباب دعا فرمائیں خدا تعالیٰ اپنے فضل سے اس شادی کو مبارک بنائے ؂

خاکسار ظفر اللہ خان - لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الفضل
قادیان دارالامان - مورخہ ۷ مئی ۱۹۲۶ء

سکھوں اور مسلمانوں کے تعلقات

سکھ معاصر "شیر پنجاب" نے اپنے ۲۵ اپریل کے پرچہ میں اس بناء پر مسلمانوں کے خلاف بہت سخت الفاظ استعمال کئے ہیں۔ کہ "حال ہی میں لاہور کے مسلمان بھیڑ فروشوں نے ایکا کر کے اس امر کا فیصلہ کیا ہے۔ کہ سکھ جھٹکیوں کے ہاتھ بکرے یا بھیڑیں فروخت نہیں کرینگے" اگر اس بات کو درست مان لیا جائے۔ تو بھی سمجھ میں نہیں آتا جس اخبار کا یہ دعویٰ ہو۔ کہ "گزشتہ بیس سال سے ہم نے مسلمانوں سے اپنے تعلقات بہتر بنانے کے لئے وہ سب کچھ کیا جو ممکن ہو سکتا تھا۔ سکھ پریس نے ہمیشہ اس امر کو ملحوظ خاطر رکھا۔ کہ کسی ایسی بات کی اشاعت نہ ہونے پائے" وہ لاہور کے چند بھیڑ فروشوں کے اس فیصلہ پر کہ وہ سکھ جھٹکیوں کے ہاتھ بکرے یا بھیڑیں فروخت نہیں کرینگے۔ تمام مسلمانوں کو بحیثیت قوم ملزم قرار دینے اور ان کے متعلق یہ غلط فیصلہ کرنے میں کہاں تک حق بجانب ہو سکتا ہے۔ کہ "مسلمان کسی غیر مسلم قوم کے دوست نہیں ہو سکتے۔ اور نہ ہی غیر مسلم لوگوں سے ان کا رابطہ اتحاد پیدا ہو سکتا ہے"

کون نہیں جانتا۔ کہ سکھوں کی ابتدا مسلمان حکمرانوں کے عہد میں ہوئی۔ اور مسلمان شہنشاہوں نے ان کی ہر طرح حوصلہ افزائی کی۔ اس میں شک نہیں۔ کہ بعض ایسے واقعات بھی رونما ہوئے۔ کہ حکام کو انتظامی طور پر بعض اوقات ضروری کارروائی کرنی پڑی۔ اور سکھوں کی ایسی سرگرمیوں پر نظر رکھنے کی ضرورت پیش آئی۔ جو حکومت کے خلاف خطرات پیدا کرنے کا موجب ہو سکتی تھیں۔ ایسے حالات میں اگر سکھوں کو نقصان اٹھانا پڑا۔ تو اس کا موجب یا تو وہ ہندو اصحاب تھے۔ جو ان کے متعلق بغض و کینہ رکھنے کی وجہ سے اپنے اختیارات کا بے جا استعمال کرتے تھے۔ یا بعض جوشیلے اور حکومت اسلامیہ کے بدخواہ سکھوں کی خلاف حکومت کارروائیاں تھیں۔ ورنہ عام حالات میں اسلامی حکومت نے سکھوں کو بعید مراعات دیں۔ اور مسلمان بزرگوں کے ساتھ سکھ اصحاب کے تعلقات نہایت گہرے اور عقیدتمندانہ تھے۔ اس سے بڑھکر مسلمانوں اور سکھوں کے بہترین تعلقات کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ کہ دربار صاحب امرتسر کا بنیادی پتھر سکھ صاحبان نے ایک مسلمان بزرگ حضرت میاں میر کے ہاتھوں رکھوایا۔ اور اس کے متعلق ان سے برکت چاہی۔

ان مستند تاریخی واقعات کی موجودگی میں معاصر "شیر پنجاب" کا یہ بیان کسی اور قوم کے متعلق تو الگ رہا۔ خود سکھ قوم کے لئے بھی درست نہیں ہو سکتا۔ کہ "مسلمان کسی غیر مسلم قوم کے دوست نہیں ہو سکتے" "شیر پنجاب" آج جو چاہے کہے لیکن اس کے بزرگوں کے ساتھ مسلمانوں کے نہایت دوستانہ تعلقات رہے ہیں۔ جس کا ثبوت سکھوں کی مقدس مذہبی کتب اور دوسری قابل عزت یادگاروں سے مل سکتا ہے

"شیر پنجاب" نے مسلمانوں کو سکھوں کے وہ احسانات بھی گنائے ہیں۔ جو تحریک خلافت کے زمانہ میں انہوں نے کئے۔ ان کے متعلق تو ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے خلافت کمیٹی ابھی تک اپنے آپ کو زندہ سمجھتی ہے۔ اگر وہ فی الواقعہ سکھوں کے احسانات کی زیر بار ہے۔ تو شرافت اور انسانیت کا تقاضا یہی ہے۔ کہ اس کے بدلے سکھوں کو بھی ممنون احسان بنانے کی کوشش کرے۔ اور انہیں مسلمانوں کے متعلق جو جائز شکایات ہوں۔ ان کے انسداد کی سعی کرے۔ لیکن بعض باتیں "شیر پنجاب" نے ایسی بھی لکھی ہیں۔ جن کے متعلق ہم اظہار رائے ضروری سمجھتے ہیں۔

سب سے پہلے اور غالباً سب سے بڑا احسان جس بات کو قرار دے کر ذکر کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ "جن علاقوں میں صدیوں سے اذان کی بندش تھی۔ ان میں اب چند مستثنیات کو چھوڑ کر اذان کی عام آزادی کرا دی گئی ہے"

مسلمانوں پر کسی غیر قوم کا دوست نہ بن سکنے کا الزام لگانے والے معاصر کو اپنے انہی الفاظ پر غور کر کے بتانا چاہیئے۔ کہ ان سے سکھوں میں کسی غیر قوم کا دوست ہو سکنے کی قابلیت کا کہاں تک پتہ چلتا ہے۔ مسلمانوں کو اذان دینے کی بندش کس نے کی۔ اور کیوں کی تھی۔ کیا اذان میں کوئی ایسا کلمہ ہے۔ جس سے سکھوں کی دل آزاری ہوتی ہو۔ یا ان کے مذہب پر حملہ قرار دیا جا سکتا ہو۔ اگر کوئی نہیں۔ تو کیوں ہم معاصر موصوف ہی کے الفاظ میں قلیل تغیر کر کے یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ اس کا مطلب صاف الفاظ میں یہ ہے کہ ان علاقوں کے مسلمان بدقسمتی سے سکھوں کے ہم وطن اور ہمسائے تو واقعہ ہوئے ہیں۔ مگر حاکم نہیں۔ اس لئے ان کی کسی بھی حرکت سے سکھوں کو جوش آ سکتا ہے۔ ورنہ کوئی معاصر ہمیں یہ سمجھانے کی زحمت گوارا فرمائیں۔ کہ جو اذان ایک جگہ کے سکھوں کے مذہبی جذبات کو نہیں ابھار سکتی۔ وہ دوسری جگہ کے سکھوں کو اس کے روکنے پر کیوں آمادہ کر سکتی ہے اور کیوں اب تک ایسے دیہات اور ایسے گاؤں میں سکھوں کی طرف سے اذان کی بندش ہے۔ جہاں مسلمان قلت تعداد کی وجہ سے اور مالکانہ حقوق نہ رکھنے کے باعث کمزور ہیں۔

سکھوں کی آبادیوں میں مسلمانوں کو صدیوں سے اذان کی بندش کا ہونا اور اب تک بہت سے مقامات پر اس بندش کا جاری رہنا ثبوت ہے اس بات کا۔ کہ سکھوں نے نہ صرف مسلمانوں سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ ان کے مذہبی معاملات میں دست اندازی اور بے جا جبر سے بھی باز نہیں رہے۔

دوسرا احسان بقول "شیر پنجاب" سکھوں نے مسلمانوں پر یہ کیا ہے کہ "مسلمانوں سے چھوت چھات بالکل ہی اڑا دی گئی ہے اور سکھ گوردواروں میں مسلمان اسی آزادی کے ساتھ داخل ہو سکتے ہیں۔ جیسے کہ سکھ یا ہندو"

اگر چھوت چھات بالکل اڑا دینے کا یہی مطلب ہے۔ کہ مسلمانوں کو سکھ گوردواروں میں داخل ہونے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ تو اس سے مسلمانوں کی دستار فضیلت میں کونسا سرخاب کا پر لگ گیا۔ اور انہیں کونسی جاگیر بخش دی۔ سوائے اس کے کہ مسلمان کسی گوردوارہ میں سیر کے لئے چلا جائے اور اسے ضرورت ہی کیا پیش آ سکتی ہے۔ کہ وہاں جائے۔ ہاں اگر کھانے پینے کی چیزوں کے متعلق چھوت چھات اڑا دی جائے تو مسلمان سمجھیں گے کہ سکھ انہیں اپنا جیسا انسان سمجھتے ہیں ورنہ اگر مسلمان بھی سکھوں سے اس قسم کی چھوت چھات کرنے لگیں تو انہیں کوئی شکایت اور گلہ نہیں ہونا چاہیئے اور ہمارا خیال ہے۔ اگر سکھوں اور ہندوؤں نے مسلمانوں سے اسی طرح چھوت چھات جاری رکھی

"شیر پنجاب" نے اکالی تحریک کے خلاف بھی مسلمانوں کی کوششوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ تحریک اگر سکھوں کے مذہبی معاملات سے ہی تعلق رکھتی۔ تو کوئی وجہ نہ تھی۔ کہ مسلمان اس کے خلاف ہوتے۔ لیکن ایسے دیہات میں جہاں سکھوں کا زور ہے۔ اس تحریک کے شروع ہونے کے بعد سکھوں میں اس قسم کی سینہ زوری پیدا ہوئی۔ اور اس درجہ زبردستی پر اتر آئے۔ کہ کئی اکالی سکھوں نے مسلمان عورتوں کا زبردستی اغوا شروع کر دیا۔ اور ایسے دیہات میں جہاں مسلمان کمزور حالت میں تھے۔ ان کا رہنا دشوار ہو گیا۔ اس وجہ سے اگر مسلمانوں کو اس تحریک سے ہمدردی نہ رہی۔ اور وہ اسے اپنے لئے خطرہ کا باعث سمجھنے لگے۔ تو وہ معذور تھے

ہم سمجھتے ہیں۔ سکھوں اور مسلمانوں کے تعلقات نہایت آسانی اور عمدگی کے ساتھ دوستانہ ہو سکتے ہیں بشرطیکہ دونوں طرف سے اس کے لئے صحیح طور پر کوشش کی جائے۔ اور اس کا طریق یہ ہے۔ کہ مسلمان سکھوں کے متعلق وسعت حوصلہ سے کام لیں۔ اور سکھ صاحبان وہ شکایات دور کر دیں۔ جو مسلمانوں کو

ان کے متعلق ہیں۔ مثلاً مسلمانوں کو شکائت ہے۔ کہ سکھوں نے کئی مساجد پر قبضہ کر رکھا ہے۔ کئی مقامات پر مساجد بنانے میں سخت مزاحم ہوتے ہیں۔ اور کئی مقامات پر اذان نہیں دینے دیتے۔ اگر اس قسم کی تمام شکایات کو سکھ صاحبان دور کر دیں۔ جس میں ان کا کچھ بھی حرج نہیں ہے۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ کہ مسلمان ان کے ممنون احسان نہ ہوں اور کسی قسم کی منتقمانہ کارروائی کی ضرورت سمجھیں۔ جھٹکہ وغیرہ کے متعلق اگر کسی جگہ مزاحمت کی جاتی ہے۔ تو اسی جذبہ اور اثر سے مجبور ہو کر۔ جو بے جا طور پر تنگ کرنے اور جائز مذہبی حقوق میں دست اندازی کرنے والوں کے متعلق پیدا ہونا ضروری ہوتا ہے۔

پس معاصر "شیر پنجاب" کو زبانی طور پر مسلمانوں کو زیر بار احسان کرنے کی بجائے مسلمانوں کی جائز شکایات کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اس کے بعد اگر مسلمان دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کی کوشش نہ کریں۔ تو اس کی شکائت مناسب ہو سکتی ہے۔ لیکن ہم باوجود اس کے مسلمانوں سے کہیں گے۔ کہ انہیں یہ تو حق حاصل ہے۔ کہ اسلام نے جس طریق سے جانور کو ذبح کر کے اس کا گوشت استعمال کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی خوبیاں اور دلائل اور براہین کے ساتھ ان لوگوں پر ظاہر کریں۔ جو ہمارے نزدیک حیوان کو ایسے طریق پر ہلاک کرتے ہیں۔ کہ اس کا گوشت نقصان رساں اور مضر ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ ان کے لئے قطعاً جائز نہیں ہے۔ کہ جھٹکہ کی وجہ سے کسی قوم سے عداوت اور دشمنی پیدا کریں۔ خواہ وہ قوم سکھوں کی ہو یا ہندوؤں کی۔ اگر کوئی شخص ایک چیز کو ایسے رنگ میں استعمال کرتا ہے۔ جو ہمارے نزدیک جائز نہیں۔ اور وہ چیز ناپاک ہو جاتی ہے اور باوجود دلائل کے ساتھ سمجھانے کے اس سے باز نہیں رہتا۔ تو پھر ہمیں کیا۔ جو اس کا جی چاہے کرے۔ پس مسلمانوں کو سکھ اصحاب کی جھٹکہ کے متعلق شکائت کا ضرور انسداد کر دینا چاہیئے۔ اور کسی جگہ اس کے متعلق مزاحم نہیں ہونا چاہیئے۔ سکھوں کے اس طرح کا گوشت استعمال کرنے میں ہمارا کوئی حرج نہیں ہے۔ اور نہ اس کی وجہ سے اسلام کو کسی قسم کا نقصان پہنچتا ہے۔ پھر کیا ضرورت ہے۔ کہ ہم اس کے متعلق خواہ مخواہ سکھوں کو شکایت کا موقعہ دیں۔ ذمہ دار اصحاب کو یہ بات اچھی طرح عام مسلمانوں کو سمجھا دینی چاہیئے۔ کہ مفت کا جھگڑا خریدنے اور باہمی تعلقات کو بگاڑنے میں بہت سی خرابیاں ہیں۔ جو بات ہماری راہ میں نہیں اور جس کے کئے جانے سے ہمارا کوئی شرعی نقصان نہیں۔ اسکے لئے تعرض کی کیا ضرورت ہے +

سیرۃ المہدی اور غیر مبائعین

(نمبر ۲)

(حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے کے قلم سے)

اس کے بعد میں اصل مضمون کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے مضمون کے شروع میں چند اصولی باتیں لکھی ہیں۔ جو ان کی اس رائے کا خلاصہ ہیں۔ جو انہوں نے بحیثیت مجموعی سیرۃ المہدی حصہ اول کے متعلق قائم کی ہے۔ سب سے پہلی بات جو ڈاکٹر صاحب نے بیان کی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ کتاب کا نام سیرۃ المہدی رکھنا غلطی ہے۔ کیونکہ وہ سیرت المہدی کہلانے کی حقدار ہی نہیں۔ زیادہ تر یہ ایک مجموعہ روایات ہے۔ جن میں افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ ایسی روایات کی بھی کمی نہیں۔ جن کا سیرۃ سے کوئی تعلق نہیں"۔ اس اعتراض کے جواب میں مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ ڈاکٹر صاحب نے ایک تنقید کرنے والے کے فرض کو پورا نہیں کیا۔ ناقد کا یہ فرض اولین ہے۔ کہ وہ جس کتاب یا مضمون کے متعلق تنقید کرنے لگے پہلے اس کتاب یا مضمون کا کما حقہ مطالعہ کرے۔ تا کہ جو جرح وہ کرنا چاہتا ہے۔ اگر اس کا جواب خود اسی کتاب یا مضمون کے کسی حصہ میں آگیا ہو۔ تو پھر وہ اس بے فائدہ تنقید کی زحمت سے بچ جاوے اور پڑھنے والوں کا بھی وقت ضائع نہ ہو۔ مگر افسوس ہے۔ کہ ڈاکٹر صاحب نے تنقید کے شوق میں اپنے اس فرض کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ اگر وہ ذرا تکلیف اٹھا کر اس "عرض حال" کو پڑھ لیتے جو سیرۃ المہدی کے شروع میں درج ہے۔ تو ان کو معلوم ہو جاتا۔ کہ ان کا اعتراض پہلے سے ہی میرے مدنظر ہے۔ اور میں اصولی طور پر اس اعتراض کا جواب دے چکا ہوں۔ چنانچہ سیرۃ المہدی کے "عرض حال" میں میرے یہ الفاظ درج ہیں "بعض باتیں اس مجموعہ میں ایسی نظر آئیں گے۔ جن کو بظاہر حضرت مسیح موعود کی سیرت یا سوانح سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن جس وقت استنباط و استدلال کا وقت آئے گا (خواہ میرے لئے یا کسی اور کے لئے) اس وقت غالباً وہ اپنی ضرورت خود منوا لینگی"۔ میرے ان الفاظ سے ظاہر ہے۔ کہ میں نے خود اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ کہ اس کتاب میں بعض ایسی روایتیں درج ہیں۔ جن کا بادی النظر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت سے تعلق نہیں ہے لیکن استدلال و استنباط کے وقت ان کا تعلق ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ پس میری طرف سے اس خیال کے ظاہر ہو چکنے کے باوجود ڈاکٹر صاحب کا اس اعتراض کو پیش کرنا سوائے اس کے اور کیا معنی رکھتا ہے۔ کہ ڈاکٹر صاحب کو صرف بہت سے اعتراض جمع کر دینے کا شوق ہے۔ میں جب خود مانتا ہوں۔ کہ سیرۃ المہدی میں بعض بظاہر لا تعلق روایات درج ہیں۔ اور اپنی طرف سے اس خیال کو ضبط تحریر میں بھی لے آیا ہوں۔ تو پھر اس کو ایک نیا اعتراض بنا کر اپنی طرف سے پیش کرنا انصاف سے بعید ہے۔ اور پھر زیادہ قابل افسوس بات یہ ہے۔ کہ ڈاکٹر صاحب نے میرے ان الفاظ کا اپنے ریویو میں ذکر تک نہیں کیا۔ ورنہ انصاف کا یہ تقاضا تھا۔ کہ جب انہوں نے یہ اعتراض کیا تھا۔ تو ساتھ ہی میرے وہ الفاظ بھی درج کر دیتے۔ جن میں میں نے خود اس اعتراض کو پیدا کر کے اس کا اجمالی جواب دیا ہے۔ اور پھر جو کچھ جی میں آتا فرماتے۔ مگر ڈاکٹر صاحب نے میرے الفاظ کا ذکر تک نہیں کیا۔ اور صرف اپنی طرف سے یہ اعتراض پیش کر دیا ہے تاکہ یہ ظاہر ہو کہ یہ تنقید صرف ان کی حدت نظر اور دماغ سوزی کا نتیجہ ہے۔ اور اعتراضات کے نمبر کا اضافہ مزید برآں رہے۔ افسوس! اور پھر یہ شرافت سے بھی بعید ہے۔ کہ جب میں نے یہ صاف لکھ دیا تھا۔ کہ استدلال و استنباط کے وقت ان روایات کا تعلق ظاہر کیا جائے گا۔ تو ایسی جلد بازی سے کام لے کر شور پیدا کر دیا جاوے۔ اگر بہت ہی بے صبری تھی۔ تو حق یہ تھا۔ کہ پہلے مجھے تحریر فرماتے۔ کہ تمہاری فلاں فلاں روایت سیرۃ سے بالکل بے تعلق ہے۔ اور کسی طرح بھی اس سے حضرت مسیح موعود کی سیرت پر روشنی نہیں پڑتی۔ اور پھر اگر میں کوئی تعلق ظاہر نہ کر سکتا تو بے شک میرے خلاف یہ فتویٰ شائع فرما دیتے۔ کہ اس کی کتاب سیرۃ کہلانے کی حقدار نہیں۔ کیونکہ اس میں ایسی روایات آگئی ہیں۔ جن کا کسی صورت میں بھی سیرت کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے۔

دوسرا جواب اس اعتراض کا میں یہ دینا چاہتا ہوں کہ اگر بالفرض سیرۃ المہدی میں بعض ایسی روایات آگئی تھیں۔ جن کا واقعی سیرت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ تو پھر بھی کتاب کا نام سیرۃ رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحب کم از کم اس بات کو ضرور تسلیم کریں گے۔ کہ سیرۃ المہدی میں زیادہ تر روایات وہی ہیں۔ جن کا سیرت کے ساتھ تعلق ہے۔ پس اگر ان کثیر التعداد روایات کی بنا پر کتاب کا نام سیرۃ رکھدیا جاوے۔ تو قابل اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔ اور کم از کم یہ کہ یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ جسے ڈاکٹر صاحب جائے اعتراض گردان کر اسے اپنی تنقید میں جگہ دیتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وجود باجود ہر مخلص احمدی کے لئے

ایسا ہے۔ کہ بخواہ نخواہ طبیعت میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے۔ کہ آپ کے متعلق جو کچھ بھی ہمارے علم میں آجاوے۔ وہی کم ہے اور جذبہ محبت کسی بات کو بھی جو آپ کے ساتھ تعلق رکھتی ہو۔ لاتعلق کہکر نظر انداز نہیں کرنے دیتا۔ پس اگر میرا شوق مجھے کہیں کہیں لاتعلق باتوں میں لے گیا ہے۔ تو اس خیال سے کہ یہ باتیں بہرحال ہیں تو ہمارے آقا ہماری جان کی راحت اور ہماری آنکھوں کے سرور حضرت مسیح موعود ہی کے متعلق۔ میرا یہ علمی جرم اہل ذوق اور اہل اخلاص کے نزدیک قابل معافی ہونا چاہیئے۔ مکرم ڈاکٹر صاحب اگر آپ محبت کے میدان میں بھی خشک فلسفہ اور تدوین علم کی باریکیوں کو راہ دینا چاہتے ہیں۔ تو آپ کا اختیار ہے۔ مگر تاریخ عالم اور صحیفہ فطرت کے مطالعہ سے تو یہی پتہ چلتا ہے۔ کہ جذبۂ محبت ایک حد تک ان سخت قیود سے آزاد سمجھا جانا چاہیئے۔ آپ اشعار کا شوق رکھتے ہیں۔ یہ شعر تو آپ نے ضرور سنا ہوگا ؎

خلق میگوئید کہ خسرو بت پرستی میکند
آرے آرے میکنم باخلق و عالم کار نیست

بس یہی میرا جواب ہے۔ حضرت مسیح موعود بھی فرماتے ہیں ؎

تا نہ دیوانہ شدم ہوش نیامد بسرم
اے جنوں گرد تو گردم کہ چہ احسان کردی

پس جوش محبت میں اگر خدانخواستہ دیوانہ پن کسی احمدی کہلانے پر گراں نہیں گذرنا چاہیئے +

تیسرا جواب اس اعتراض کا میری طرف سے یہ ہے کہ میں نے خود اس کتاب کے آغاز میں اپنی اس کتاب کی غرض و غایت لکھتے ہوئے یہ لکھدیا تھا۔ کہ اس مجموعہ میں ہر ایک قسم کی وہ روایت درج کی جاویگی۔ جس کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ کوئی تعلق ہے۔ چنانچہ کتاب کے شروع میں میری طرف سے یہ الفاظ درج ہیں " میرا ارادہ ہے۔ واللہ الموفق کہ جمع کروں اس کتاب میں تمام وہ ضروری باتیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے متعلق تحریر فرمائی ہیں۔ اور جو دوسرے لوگوں نے لکھی ہیں۔ نیز جمع کروں تمام وہ زبانی روایات جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق مجھے پہنچی ہیں۔ یا جو آئندہ پہنچیں۔ اور نیز وہ باتیں جو میرا ذاتی علم اور مشاہدہ ہیں" میں امید کرتا ہوں۔ کہ ڈاکٹر صاحب اس بات کو تسلیم کرینگے۔ کہ ان الفاظ کے ماتحت مجھے اپنے دائرہ عمل میں ایک حد تک وسعت حاصل ہے۔ اور دراصل منشاء بھی میرا یہی تھا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق جو بھی قابل ذکر بات مجھے پہنچے۔ میں اسے درج کردوں۔ تاکہ لوگوں کے استمتاع کا دائرہ وسیع ہو جاوے۔ اور کوئی بات بھی جو آپ کے متعلق قابل بیان ہو ذکر سے نہ رہ جائے۔ کیونکہ اگر اس وقت کوئی بات ضبط تحریر میں آنے سے رہگئی۔ تو بعد میں وہ ہمارے ہاتھ نہیں آئیگی۔ اور نہ بعد میں ہمارے پاس اس کی تحقیق اور جانچ پڑتال کا کوئی پختہ ذریعہ ہوگا۔ مگر افسوس ہے۔ کہ ڈاکٹر صاحب نے میرے ان الفاظ کو جو میں نے اسی غرض کو مدنظر رکھ کر لکھے تھے۔ بالکل نظر انداز کر کے خواہ نخواہ اعتراضات کی تعداد بڑھانے کے لئے میرے خلاف ایک الزام دھر دیا ہے +

چوتھا اور حقیقی جواب اس اعتراض کا یہ ہے۔ کہ ڈاکٹر صاحب نے لفظ سیرۃ کے مفہوم پر غور نہیں کیا۔ اور اس کے مفہوم کو ایک بہت ہی محدود دائرہ میں مقید سمجھکر مجھے اپنے اعتراض کا نشانہ بنالیا ہے۔ اگر ڈاکٹر صاحب سیرۃ کی مختلف کتب کا مطالعہ فرماویں۔ خصوصاً جو کتب متقدمین نے سیرۃ میں لکھی ہیں۔ انہیں دیکھیں۔ تو ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ سیرت کا لفظ نہایت وسیع معنوں میں لیا جاتا ہے دراصل سیرت کی کتب میں تمام وہ روایات درج کردیجاتی ہیں جو کسی نہ کسی طرح اس شخص سے تعلق رکھتی ہوں۔ جس کی سیرت لکھنی مقصود ہوتی ہے۔ مثلاً سیرۃ ابن ہشام آنحضرت صلعم کے حالات میں ایک نہایت ہی مشہور اور متداول کتاب ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں۔ کہ ڈاکٹر صاحب نے اس کا ضرور مطالعہ کیا ہوگا۔ لیکن اسے کھول کر اوّل سے آخر تک پڑھ جاویں۔ اس میں سینکڑوں ایسی باتیں درج ملیں گی جن کا آنحضرت صلعم کے ساتھ براہ راست بلا واسطہ کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن چونکہ بالواسطہ طور پر وہ آپ کے حالات زندگی پر اور آپ کی سیرت و سوانح پر اثر ڈالتی ہیں۔ اس لئے قابل مصنف نے انہیں درج کردیا ہے۔ بعض جگہ صحابہ کے حالات میں ایسی ایسی باتیں درج ہیں۔ جن کا آنحضرت صلعم کی سیرت سے بظاہر کوئی بھی تعلق نہیں۔ اور ایک عامی آدمی حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ کہ نہ معلوم آنحضرت صلعم کے حالات میں یہ روایات کیوں درج کی گئی ہیں لیکن اہل نظر و فکر ان سے بھی آپ کی سیرت و سوانح کے متعلق نہایت لطیف استدلالات کرتے ہیں۔ مثلاً صحابہ کے حالات ہمیں اس بات کے متعلق رائے قائم کرنے میں بہت مدد دیتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم کی صحبت اور آپکی تعلیم و تربیت نے آپ کے متبعین کی زندگیوں پر کیا اثر پیدا کیا۔ یعنی ان کو آپ نے کس حالت میں پایا۔ اور کس حالت میں چھوڑا۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے۔ کہ جسے کوئی عقلمند انسان آپ کی سیرۃ و سوانح کے لحاظ سے لاتعلق نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح مثلاً آپ کی سیرۃ کی کتب میں آپ کے آباء و اجداد کے حالات اور آپ کی بعثت کے وقت آپ کے ملک و قوم کی حالت کا مفصل بیان درج ہوتا ہے۔ جو بادی النظر میں ایک لاتعلق بات سمجھی جاسکتی ہے۔ لیکن درحقیقت آپ کی سیرت و سوانح کو پوری طرح سمجھنے کے لئے ان باتوں کا علم نہایت ضروری ہے۔ الغرض سیرۃ کا مفہوم ایسا وسیع ہے۔ کہ اس میں ایک حد مناسب تک ہر وہ بات درج کی جاسکتی ہے۔ جو اس شخص کے ساتھ کوئی نہ کوئی تعلق رکھتی ہو۔ جس کی سیرت لکھی جارہی ہے۔ بعض اوقات کسی شخص کی سیرت لکھتے ہوئے۔ اس کے معروف اقوال اور گفتگو میں اور تقریروں کے خلاصے درج کئے جاتے ہیں۔ جن کو ایک جلد باز انسان سیرۃ کے لحاظ سے زائد اور لاتعلق بھی سمجھ سکتا ہے۔ حالانکہ کسی شخص کے اقوال وغیرہ کا علم اس کی سیرۃ کے متعلق کامل بصیرت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ پھر بعض وہ علمی نقطے اور نئی علمی تحقیقاتیں اور اصولی صداقتیں جو ایک شخص کے قلم یا منہ سے نکلی ہوں۔ وہ بھی اس کی سیرۃ میں بیان کی جاتی ہیں۔ تاکہ یہ اندازہ ہوسکے۔ کہ وہ کس دل و دماغ کا انسان ہے۔ اور اسکی وجہ سے دنیا کے علوم میں کیا اضافہ ہوا ہے۔ مگر عامی لوگ ان باتوں کو سیرۃ و سوانح کے لحاظ سے غیر متعلق قرار دیتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ ڈاکٹر صاحب نے سیرۃ کا مفہوم سمجھنے میں غلطی کھائی ہے۔ اور اس کو اس کے تنگ اور محدود دائرہ میں لے کر اعتراض کی طرف قدم بڑھادیا ہے۔ ورنہ اگر وہ ٹھنڈے دل سے سوچتے اور سیرۃ کے اس مفہوم پر غور کرتے جو اہل سیر کے نزدیک رائج و متعارف ہے تو ان کو یہ غلطی نہ لگتی۔ اور اسی وسیع مفہوم کو مدنظر رکھ کر میں نے سیرۃ المہدی میں ہر قسم کی روایات درج کردی ہیں اور میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ ایک صاحب بصیرت شخص ان میں سے کسی روایت کو زائد اور بے فائدہ قرار نہیں دے سکتا۔ میں نے اس خیال سے بھی اپنے انتخاب میں وسعت سے کام لیا ہے۔ کہ ممکن ہے۔ اس وقت ہمیں ایک بات لاتعلق نظر آوے۔ لیکن بعد میں آنے والے لوگ اپنے زمانہ کے حالات کے ماتحت اس بات سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرۃ و سوانح کے متعلق مفید استدلالات کرسکیں۔ جیسا کہ مثلاً ابتدائی اسلامی مورخین نے آنحضرت صلعم کے متعلق ہر قسم کی روایات جمع کردیں۔ اور گو اس وقت ان میں سے بہت سی روائتوں سے ان متقدمین نے کوئی استدلال نہیں کیا۔ لیکن اب بعد میں آنے والوں نے اپنے زمانہ کے حالات و ضروریات کے ماتحت ان روایات سے بہت علمی فائدہ اٹھایا ہے۔ اور مخالفین کے بہت سے اعتراضات کا جواب دینے کے لئے ان سے مدد حاصل کی ہے۔

اگر وہ لوگ ان روایات کو اپنے حالات کے ماتحت لاتعلق سمجھ کر چھوڑ دیتے۔ تو ایک بڑا مفید خزانہ اسلام کا ضائع ہو جاتا۔ پس ہمیں بھی بعد میں آنے والوں کا خیال رکھ کر روایات کے درج کرنے میں فراخ دلی سے کام لینا چاہیئے۔ اور محض کسی روایت کو محض لاتعلق سمجھے جانے کی بنا پر رد نہیں کر دینا چاہیئے ہاں بے شک یہ احتیاط ضروری ہے۔ کہ کمزور اور غلط روایات مدرج نہ ہوں۔ مگر جو روایت اصول روایت و درایت کی رو سے صحیح قرار پائے۔ اور وہ ہو بھی حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق۔ تو خواہ وہ آپ کی سیرۃ کے لحاظ سے بظاہر لاتعلق یا غیر ضروری ہی نظر آوے اُسے ضرور درج کر دینا چاہیئے ۔

بہرحال میں نے روایات کے انتخاب میں وسعت سے کام لیا ہے۔ کیونکہ میرے نزدیک سیرۃ کا میدان ایسا وسیع ہے کہ بہت ہی کم ایسی روایات ہو سکتی ہیں۔ جو من کل الوجوہ غیر متعلق قرار دی جا سکیں۔ اس جگہ تفصیلات کی بحث نہیں۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحب نے صرف اصولی اعتراض اٹھایا ہے۔ اور مثالیں نہیں دیں۔ ورنہ میں مثالیں دیکر بتاتا کہ سیرت المہدی کی وہ روایات جو بظاہر غیر متعلق نظر آتی ہیں۔ دراصل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن اگر اب بھی ڈاکٹر صاحب کی تسلی نہ ہو۔ تو میں ایک سہل علاج ڈاکٹر صاحب کے لئے پیش کرتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ میں سیرت ابن ہشام اور اسی قسم کی دیگر معروف کتب سیرت سے چند باتیں ایسی نکال کر پیش کروں گا۔ جن کا بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ اور پھر جو تعلق ڈاکٹر صاحب موصوف ان باتوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے ثابت کریں گے۔ میں انشاء اللہ اتنا ہی بلکہ اس سے بڑھکر تعلق سیرۃ المہدی کی روایات کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت سے ثابت کر دوں گا۔ جن کو ڈاکٹر صاحب غیر متعلق قرار دینگے۔ خلاصہ کلام یہ کہ کیا بلحاظ اس کے کہ سیرت کے مفہوم کو بہت وسعت حاصل ہے۔ اور مورخین اسکو عملاً بہت وسیع معنوں میں لیتے رہے ہیں۔ اور کیا بلحاظ اس کے کہ ہمارے دل کی یہ آرزو ہے کہ حضرت مسیح موعود کی کوئی بات ضبط تحریر میں آنے سے نہ رہ جائے۔ اور کیا بلحاظ اسکے کہ ممکن ہے کہ آج ہمیں ایک بات لاتعلق نظر آوے۔ مگر بعد میں آنیوالے لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اور کیا بلحاظ اس کے کہ میں نے اپنی کتاب کے شروع میں یہ بات لکھ دی تھی کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق ہر قسم کی روایات اس مجموعہ میں درج کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اور کیا بلحاظ اس کے کہ میں نے خود اپنی کتاب کے دیباچہ میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ اس کتاب میں بعض روایات لاتعلق نظر آئینگی لیکن استدلال و استنباط کے وقت ان کا تعلق ثابت کیا جائیگا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کو اس اعتراض کا حق حاصل نہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی معاً تقریر پر رقت :

مندرجہ ذیل تقریر حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ نے ۵ رفروری ۱۹۲۶ء بروز جمعہ اس مجلس میں فرمائی۔ جو طلبار مدرسہ احمدیہ کی طرف سے شیخ محمود احمد صاحب کو ایڈریس دینے کے لئے منعقد کی گئی تھی۔ ایڈریس میں ایک فقرہ تھا۔ کہ "مصر جو علوم و فنون کا گہوارہ ہے" اس پر جو کچھ حضور نے فرمایا۔ وہ احمدی کے لئے موجب صد فخر و مباہات ہے۔ (ایڈیٹر)

مجھے اس بات سے بہت خوشی ہوئی ہے۔ کہ آج جن لڑکوں نے قرآن نظم اور ایڈریس پڑھا۔ وہ ان لڑکوں سے مختلف ہیں۔ جو ہمیشہ ایسے موقعوں پر ان چیزوں کو پڑھا کرتے تھے طلبا کا عام طور پر یہ قاعدہ تھا۔ کہ جب کبھی ایسا موقعہ آتا تو وہ انہیں لڑکوں کو پڑھنے کے لئے کہتے۔ جو اکثر ان کو پڑھتے۔ گویا یہ عید کا جوڑا تھا۔ جو انہوں نے بنا کے رکھا ہوا تھا۔ کہ جس طرح سارے سال کے بعد ایک دفعہ اس جوڑے کو نکالکر پہن لیتے ہیں۔ اسی طرح جب موقعہ پڑتا ہے۔ تو انہیں لڑکوں کو ایڈریس وغیرہ پڑھنے کے لئے پیش کر دیتے ہیں۔ مگر اس دفعہ ایسا نہیں کیا گیا۔ اس دفعہ اور لڑکوں کو پیش کیا گیا ہے۔ جس لڑکے نے اسوقت ایڈریس پڑھا ہے یہ اس کا پہلا موقعہ ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں۔ کہ اگر وہ کوشش کرے۔ تو اس میں ترقی کر سکتا ہے۔ اسی طرح دوسرے لڑکے بھی اگر اس بات کی کوشش کریں۔ تو وہ بھی اس میں کامیاب ہو سکتے ہیں ۔

نظم پڑھنے والا

مولوی محمد یوسف صاحب نے نظم پڑھی ہے۔ اور بے شک اچھے انداز میں پڑھی ہے۔ لیکن آواز مدھم تھی۔ ان کی قوم کی آواز اونچی ہے۔ اور خاص تربیت کے ماتحت اور بھی اونچی ہو جاتی ہے اگر آواز ناجائز اور بدی کے لئے صرف کی جا سکتی ہے اور جلب منافع کے واسطے استعمال ہو سکتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ نیکی کے لئے استعمال نہ ہو سکے۔ اور قلوب کو نیک اثر قبول کروانے کے لئے صرف نہ ہو سکے۔ ان کی آواز سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قومی رنگ ان کی آواز میں مخفی ہے لیکن چونکہ ہدایت اور تربیت کرنے والا کوئی نہیں ملا۔ اس لئے اچھی طرح اسے نہیں نبھا سکے۔

اشعار کا اثر آواز پر

جو ماہر فن ہوتے ہیں۔ وہ شعر کو بلند پڑھ سکتے ہیں۔ تمام لوگ ایسا نہیں کر سکتے۔ لیکن بعض اشعار ایسے ہوتے ہیں۔ کہ آپ ہی آواز بلند کرا لیتے ہیں۔ اور بعض ایسے نہیں بھی ہوتے۔ یہ اشعار جو پڑھے گئے ہیں۔ یہ اسی قسم کے تھے۔ کہ آواز کو بلند کرا لیتے۔ پھر جن اشعار کا اس وقت کے لئے انتخاب کیا گیا ہے۔ معنی کے لحاظ سے مناسب موقعہ تھے۔ ردیف اور قافیہ ایسا تھا۔ کہ جن میں ہر شخص ان اشعار کو بلند آواز سے پڑھ سکتا تھا۔ لیکن چونکہ ان کی تربیت نہ تھی۔ اس لئے وہ اونچی آواز سے ان کو نہ پڑھ سکے۔ ہاں اگر تربیت کی جائے۔ تو میں سمجھتا ہوں۔ کہ یہ آواز جو اسوقت ہلکی تھی۔ بلند ہو سکتی ہے اور میں سمجھتا ہوں۔ کہ تربیت کے بعد یہ اچھی طرح بلند آواز سے پڑھ سکتے ہیں۔ محض تربیت کے نہ ہونے سے بلند آواز سے نہ پڑھ سکے ۔

ایڈریس پڑھنے والا

ایڈریس جو مولوی چراغ الدین صاحب نے پڑھا ہے۔ ان کی قومی جھلک اس سے نمایاں تھی۔ اور مولوی صاحب نے پہلی ہی دفعہ غالباً یہ ایڈریس پڑھا ہے۔ لیکن باوجود اسکے ان کی غلطیاں کم تھیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں۔ اگر وہ کوشش کریں۔ تو غلطیوں کو کم کر سکتے ہیں۔ ان کی آواز میں ایک قسم کا درد اور احساس بھی تھا۔ جو اگر معانی کے ساتھ ساتھ چلایا جاتا۔ تو اثر کرنے والا تھا۔ خالی لفظ اثر نہیں کر سکتے۔ ایک ہی لفظ ہوتے ہیں ...... ۔ ایک جرنیل کہتا ہے۔ آگے بڑھو۔ لوگ پیچھے ہٹتے ہیں۔ دوسرا جرنیل کہتا ہے۔ تو سب کے سب بڑھ جاتے ہیں۔ فرق صرف یہی ہوتا ہے۔ کہ ایک کے ساتھ دل میں درد اور احساس ہوتا ہے۔ اور ایک کے ساتھ نہیں ۔

نپولین کی مثال

دنیا میں ایسی مثال نپولین کی ملتی ہے۔ ایک دفعہ اسے قید کر کے لے گئے اور اسکی جگہ دوسرے کو بادشاہ بنا دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ آزاد ہو کر آگیا۔ اور کئی آدمی پرانی اور ٹوٹی پھوٹی لٹھیں لے کر اس کے ساتھ ہو گئے۔ اور وہ ان سب کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ ادھر سے سب سے بڑا جرنیل اس کے مقابلے کے لئے کھڑا کیا گیا۔ اور فرانس کا پادری بھی بائبل میز پر رکھ کر آگیا۔ اور اس جرنیل نے اس کے سامنے بائبل پر ہاتھ دھر کر مقابلے کی قسم کھائی۔ ایسا ہی تمام سپاہیوں سے بھی قسمیں لی گئیں۔ کہ ہم مقابلہ کرینگے۔ پھر یہ ایک باقاعدہ فوج تھی۔ اس کے پاس ہر قسم کا سامان موجود تھا۔ اور اس نے مقابلے کی قسمیں بھی کھائیں۔ اور نپولین کے ساتھیوں کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ غرض اس طرح وہ فوج نپولین کے لئے آگے بڑھی۔ ادہر نپولین کے پاس سامان بھی نہیں تھا۔ آدمی بھی تھوڑے تھے۔ مگر باوجود اس کے وہ فوج جس وقت آئی۔

تو وہ سد راہ ہو۔ اور ہراول کو آگے بھیجا کہ ان کو روکو اگر نہ رکیں گے۔ تو ہم پیچھے سے آجائیں گے۔ سپاہیوں نے کہا بھی۔ کہ ہم سات سو آدمی ۸-۹ ہزار آدمیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ تو نپولین نے کہا۔ اگر مقابلہ نہیں کر سکتے تو فرانس کیسے فتح کر سکو گے۔ غرض وہ آگے بڑھے۔ اور انہوں نے ان کو جا روکا۔ فرانس کی باقاعدہ فوج ہنسی اور کہا۔ کہ میاں ہم بوچڑ نہیں ہیں کہ تمہیں ماریں۔ جاؤ نپولین سے کہو۔ اگر لڑنا ہے۔ تو سپاہی لائیے۔ چنانچہ نپولین کو جب اس کی اطلاع ملی۔ تو وہ خود وہاں پہنچا۔ اور جو فوج پرا باندھ کر کھڑی تھی۔ اس نے کہا۔ کہ کیوں مفت میں اپنی جانیں گنواتے ہو۔ ان کو واپس لے جاؤ۔ اور ان کی ہم سے خونریزی نہ کراؤ۔ ہم قسمیں کھا کر آئے ہیں۔ یہ سننا تھا۔ کہ نپولین نے آواز دی۔ کہ تم میں سے جو چاہتا ہے۔ کہ اپنے بادشاہ کے سینے پر گولی مارے۔ وہ مارے۔ اس نے کہنے کو تو یہ جملہ کہدیا۔ مگر نہ معلوم اسکے اندر کیا اثر تھا کہ کوئی بھی ان میں سے گولی نہ مار سکا۔ ادہر نپولین کے مُنہ سے یہ فقرہ نکلا۔ ادہر بادشاہی سپاہیوں نے جو قسمیں کھا کر نپولین کے مقابلے کے لئے آئے تھے۔ رائفلیں آسمان پر چھوڑ دیں۔ اور سب اسکی طرف دوڑ گئے۔ یہاں تک کہ وہ جرنیل بھی آگیا۔ اور وہی فوج جو اسے پکڑنے کو آئی تھی اس کے ساتھ شامل ہو گئی۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ اسکی وجہ یہ تھی۔ کہ ان الفاظ کے پیچھے یقین تھا۔ احساسات تھے جوش تھا۔ دل تھا۔ اور یقین اور احساس اور جوش اور دل وہ باتیں ہیں۔ کہ اگر کبھی آواز کے پیچھے ہوں۔ تو وہ خس و خاشاک کی طرح ہر روک کو صاف کرتی اور ہر راستہ کو پیدا کرتی چلی جاتی ہے۔

روحانی احساس کے ساتھ آواز کا اثر

دنیاوی زندگی میں جو مادی ہے یہ ہمیں نظر آتا ہے۔ کہ اگر کسی آواز کے ساتھ احساس اور یقین ہو تو وہ کایا پلٹ دیتی ہے۔ تو اس زندگی کا کیا حال ہو گا۔ جو رُوحانی ہے۔ اور جس کا منبع ہی خدا تعالیٰ کی ذات ہے اس کے متعلق بہترین مثال ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھنے میں آتی ہے۔ کہ کس وقت اور کس حال میں آپ کھڑے ہوئے۔ وہ کونسے حال تھے۔ جن میں آپ کھڑے ہوئے تھے۔ وہ وہی حال تھے۔ جن سے عرب نا آشنا تھا۔ اور جو مکہ کے لوگوں کے خیال اور حال دونوں سے اُلٹ تھے۔ اور صرف یہی نہیں۔ بلکہ ان کے مفاد کے بھی خلاف تھے۔ پھر جو باتیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم لیکر اُٹھے وہ بھی سراسر ان لوگوں کے مخالف تھیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم وہی باتیں تو کہتے تھے۔ جو آج ہم کہہ رہے ہیں۔ اور ان کے ہاتھ میں بھی شروع میں سوائے قرآن کریم کے کوئی تلوار نہ تھی اور وہاں بھی آپ کے برخلاف ویسی ہی آواز اُٹھتی تھی۔ جیسے آج کل مولویوں کی۔ لیکن کیا چیز تھی۔ کہ ان سب کو کاٹتی چلی جاتی تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قدم آگے ہی آگے اُٹھتا تھا۔ وہ یہی تھی۔ کہ آپ نے زبردست احساسات اور رُوحانی جذبات کی رَو چلائی۔ وہ رَو جو سانپ کی طرح آدمی کے لپٹ جاتی تھی۔ اور جو تریاق کی پچکاری کرتی۔ مُردنی سے نہیں بلکہ محبت کی۔ اور حیات سے متاثر ہو کر۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ آپ نے زبان سے وہ کام کر لیا۔ جو کام تلوار سے لوگ نہ کر سکے ۔

جنگ حنین میں آواز کے اثر کا نمونہ

اثر جو ایک ایسی آواز سے پیدا ہوتا ہے۔ جس کے پیچھے یقین۔ احساس اور جذبہ ہوتا ہے۔ عام زندگی میں ہر ایک شخص اسکی کیفیات کو محسوس نہیں کر سکتا۔ لیکن یہی بات بعض دفعہ جب نمایاں طور پر زندگی میں آتی ہے۔ تو سب اسکو دیکھتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ایک ایسا واقعہ ہے۔ جس کی دنیاوی تاریخ میں کوئی مثال نہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ نپولین بڑا فاتح تھا۔ تیمور بڑا فاتح تھا۔ سکندر بڑا فاتح تھا۔ لیکن میں نے ایسا واقعہ ان کی زندگیوں میں بھی نہیں دیکھا۔ جو جنگ حنین میں ایک با احساس اور پُر جذبات آواز کا نظر آتا ہے۔ کسی بڑے سے بڑے فاتح کی زندگی میں اگر کوئی ایسی مثال ملسکتی ہے۔ تو وہ صرف جذبات اور احساسات تک ہی محدود ہے۔ کہ ان کی وجہ سے وہ اثر پیدا ہوا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز میں جنگ حنین کے وقت بالخصوص جو اثر پیدا ہوا۔ وہ روحانی احساسات اور جذبات کے سبب سے تھا۔ اس لئے عام فاتحین کی آواز سے جو اثر پیدا ہوا۔ وہ اس اثر سے برابری نہیں کر سکتا اور نہ ہی برابر کہلانے کا مستحق ہے۔ جو آنحضرت کی آواز سے پیدا ہوا۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہ ہزار سپاہیوں کا لشکر لے کر میدان میں آگئے۔ اور ادہر سے چار ہزار آدمی مقابلہ کے لئے آئے۔ جو نہایت ہی تجربہ کار تھے۔ مسلمانوں کی فوج کا کچھ حصہ ایسے مقام پر ٹھیرایا گیا۔ جہاں راستہ بالکل تنگ تھا۔ صرف چند گز کی سڑک تھی۔ جس میں سے انہوں نے گذرنا تھا۔ یعنی ان منڈیروں کے ساتھ ساتھ بنو ثقیف کی فوج نے گذرنا تھا۔ کہ جن پر مسلمان متعین تھے۔ اور جہاں سے کہ وہ آسانی سے انہیں مار سکتے تھے۔ لیکن باوجود اس کے جو تغیر وہاں پیدا ہوا۔ وہ نہایت خطرناک تھا۔ جیسا کہ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے۔ ان کے دل میں خیال پیدا ہو گیا کہ شاید ہم ہی یہ سب کام کر رہے ہیں۔ اور ہمارے ہی بازو کے زور سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ اور جب دس ہزار سے ہم نے مکہ فتح کر لیا۔ تو اب تو ہم بارہ ہزار ہیں۔ اب ہمیں کون شکست دے سکتا ہے پھر مقابلہ بھی صرف چار ہزار سے ہے۔ اور وہ بھی بنو ثقیف کی قوم سے۔ جو کوئی ایسی لڑاکا اور جنگجو قوم نہیں۔ غرض ادہر ان کے دل میں یہ خیال تھے۔ ادہر اہل مکہ جو نئے نئے فتح ہوئے تھے۔ وہ انکی ان باتوں کو دیکھ کر کہہ رہے تھے۔ اب تو ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں اب کون ہے۔ جو تمہیں روک سکے۔ غرض یہ سب باتیں جمع ہو رہی تھیں لیکن تیروں کے پہلے ہی وار نے نہ صرف سواروں میں بلکہ گھوڑوں اور اونٹوں کے دلوں میں بھی رعب ڈال دیا۔ اچھے اچھے سواروں کے نیچے گھوڑے تڑپتے تھے۔ بدکتے تھے گویا چاہتے تھے۔ کہ ہم ان کو گرا کر بھاگ جائیں۔ میں نے تجربہ کیا ہو۔ میں گھوڑے رکھا کرتا تھا۔ کہ گھوڑے سوار کو پہچانتے ہیں۔ اگر وہ سمجھ لیتے ہیں کہ سوار مضبوط اور پورا سوار ہے۔ تو کان دبائے چلے جاتے ہیں۔ اور اگر وہ جان لیتے۔ کہ سوار مضبوط نہیں۔ اور فن سواری میں پورا مشاق نہیں تو وہ پھر آرام سے نہیں چلتے۔ میں نے دیکھا ہے کہ اگر ایک گھوڑا میرے نیچے کان دبائے چلا جاتا ہے۔ تو دوسرے کے نیچے آکر وہ شوخیاں کرتا اور دولتیاں چلاتا ہے۔ غرض گھوڑے بھی سوار کو پہچانتے ہیں۔ تو انہوں نے بھی سمجھ لیا۔ کہ یہ وہ سوار نہیں۔ جنہوں نے مکہ فتح کیا تھا۔ غرض اس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ اگر چاہتے بھی تھے۔ کہ کھڑے رہیں۔ لیکن ان کی سواریاں بے بس ہو گئیں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف بارہ آدمیوں کے درمیان اس میدان میں رہ گئے۔ بے شک ان میں بہت سے ایسے بھی تھے۔ کہ دل سے چاہتے تھے۔ کہ وہاں ٹھیریں۔ مگر وہ اپنے آپ کو سنبھال نہ سکے۔ اور جب یہ حالت ہوئی۔ تو ان لوگوں میں بھی جو صرف لوٹ کے لئے آئے تھے۔ یہ دلیری پیدا ہو گئی کہ مسلمانوں کو دبانا شروع کر دیا۔ بلکہ وہ تو کہتے تھے۔ کہ اب مسلمان گئے۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کو کہا کہ اب تم توبہ کر لو۔ بعض اصحابہ بیان کرتے ہیں۔ کہ ہم نے کوشش کی۔ کہ مڑیں۔ مگر گھوڑے اور اونٹ مڑتے نہیں تھے۔ اسوقت چاروں طرف سے تیر پڑ رہے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے ہی دشمن کی طرف بڑھے۔ ان بارہ صحابیوں نے جو آپ کے ارد گرد رہ گئے تھے آپ کو آگے جانے سے روکا۔ اور عرض کی۔ یا رسول اللہ آگے جانے کا موقعہ نہیں۔ آگے جانا جان بوجھکر جان کو گنوانا ہے مگر آپ نے کہا۔ انا النبی لا کذب ۔ انا ابن عبد المطلب اور آگے بڑھ گئے ۔

حضرت عباس کی آواز

اسوقت جہاں تک انسانی آواز جا سکتی تمام صحابہ اس حد سے آگے نکل چکے تھے۔

لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے کہا۔ کہ انہیں پکار کہ انصار خدا کا رسول تمہیں بلاتا ہے۔ اب یہ آواز ہر ایک سپاہی کے کان میں پہنچی۔ اور وہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ کہ ہمیں ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ جیسے کسی نے ہمارے قریب کھڑے ہو کر یہ کہا کہ اے انصار خدا کا رسول تمہیں بلاتا ہے۔ میں نے اس واقعہ میں دیکھا کہ سارا لشکر بھاگ چکا تھا۔ لیکن اس آواز پر وہ پھر لوٹا۔ اسکی مثال اور کسی واقعہ میں نظر نہیں آتی ؛

واٹرلو کی جنگ

واٹرلو کی جنگ میں ایک واقعہ ایسا نظر آتا ہے۔ جو بظاہر اس کے برابر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ اس کے برابر نہیں ہے بیشک اس جنگ میں بھی لشکر بھاگا۔ مگر وہاں ایسا نہ ہوا۔ اس جنگ کے مشہور جرنیل کہتے ہیں کہ ہم تلواریں مارتے تھے۔ اگر کوئی سپاہی پیچھے مڑتا تھا۔ لیکن باوجود اسکے کوئی نہ رک سکا۔ آخر فوج کو پیچھے بھاگتے دیکھ کر نپولین آگے بڑھا۔ کہ جان دیدے۔ لیکن اس کے کمانڈروں نے اسے روکا۔ لیکن حنین کی جنگ میں جب سپاہی بھاگتے ہیں تو آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم آگے بڑھتے ہیں۔ صحابہ روکتے ہیں۔ مگر آپ رکتے نہیں۔ اور انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب کہتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں

حنین اور واٹرلو کی جنگوں میں فرق بیّن

اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ مان بھی لیا جائے۔ کہ ان دونوں لڑائیوں میں برابری ہے۔ تو وہ صرف لشکر کے بھاگنے میں ہے اور اُسے بھی اگر غور سے دیکھا جائے تو پھر بھی کوئی برابری نہیں۔ کیونکہ ان کی کیفیات میں بڑا فرق موجود ہے اور پھر یہ فرق اس واقعہ سے اور بھی صاف طور پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ وہاں اسکی فوج بھاگتی ہے۔ تو جرنیل پیچھے سے تلواریں مار مار کر روکتے ہیں۔ مگر وہ رُکتے نہیں۔ اور نپولین وہاں کھڑا ہے۔ اور آخر فیصلہ کرتا ہے۔ کہ مجھے اکیلے کو آگے بڑھنا چاہیئے۔ وہ بڑھتا بھی ہے۔ لیکن اس کے جرنیل اس کو روک لیتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بھی صحابہ روکتے ہیں۔ مگر وہ کہتے ہیں۔ ہٹ جاؤ۔ مجھے آگے جانے دو۔ تو صحابہ ہٹ جاتے ہیں لیکن جب نپولین کہتا ہے کہ ہٹ جاؤ۔ مجھے آگے بڑھنے دو۔ تو اس کے جرنیل کہتے ہیں کہ اسے پکڑ لو۔ اور ہرگز آگے نہ بڑھنے دو۔ اس کا دماغ ٹھیک نہیں رہا۔ آگے بڑھ کے مفت جان گنوا لیگا۔ وہاں تو یہ حال تھا۔ کہ تلواریں مار کر لوگوں کو روکا جاتا ہے۔ اور وہ رکتے نہیں۔ اور یہاں ایک آواز جاتی ہے۔ اور آواز بھی وہ آواز جو انسانی ہے اور جو ایک ایسے مقام سے دی گئی ہے کہ جن کو پہنچانی ہے وہ اس حد سے کہیں دور نکل چکے ہیں کہ جہاں تک انسانی آواز پہنچ سکتی ہے۔ اور پھر اس آواز کا اثر کیا ہوتا ہے؟ ایک صحابی کہتے ہیں۔ ہم مردہ تھے۔ اور جس وقت یہ آواز ہمارے کانوں میں پہنچی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسرافیل نے صور پھونکا ہے۔ ہمارے قلوب کے اندر ایک رَو پیدا ہو گئی۔ اور ایک ایسی لہر اور ولولہ ہمارے اندر اُٹھا۔ اور اس کا ایسا اثر ہوا کہ ہم دنیا کو بالکل بھول گئے۔ ہمیں ہر طرف سے یہ آواز سنائی دیتی کہ ادہر آؤ۔ خدا کا رسول تمہیں بلاتا ہے۔ ادہر آؤ خدا کا رسول تمہیں بلاتا ہے۔ چنانچہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم اسی وقت واپس مڑے۔ اور اس مڑنے کی کوشش کرتے ہوئے بعض دفعہ ہماری سواریوں کا منہ ان کی پیٹھ سے لگ لگ جاتا۔ اور اگر کوئی سواری نہ مڑتی یا اسے مڑنے میں دیر لگ جاتی تو تلواریں مار مار کر ان کی گردنیں اڑا دیتے۔ اور لبیک یا رسول اللہ لبیک کہتے ہوئے بھاگے آتے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں سارا لشکر جمع ہو گیا۔ ان حالات کے ماتحت یہ ہرگز مانا نہیں جا سکتا۔ کہ حنین کے واقعہ کی مثال واٹرلو یا کسی اور جنگ میں نظر آتی ہے۔

عباس کی آواز کے پیچھے محمد رسول اللہ کا دل تھا

یہ آواز کیا تھی بے شک یہ عباسؓ کے مُنہ سے نکلی مگر اس کے پیچھے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل تھا جو کہہ رہا تھا۔ مجھے یہاں کھڑے رہنے کی کیا ضرورت تھی بجز اسکے کہ تمہارے لئے میدان صاف کر دوں سوائے اس کے کہ تمہارے لئے خدا کے فضل کے دروازے کھولوں پس وہ محبت بھرا دل تھا۔ جو اس آواز کے پیچھے تھا۔ اور اس میں اک ایسا احساس تھا کہ جو رسیوں کی طرح پھیل گیا۔ اور ان لوگوں کو باندھ کر لے آیا ؛

مبلغین کے لئے ایک سبق

پس احساسات کے پیچھے جب خاص اثرات ہوتے ہیں تو اسوقت جو اثر ہوتا ہے وہ خالی نہیں جاتا۔ ہمارے مبلغین کے لئے ضروری ہے کہ وہ احساسات کے ساتھ الفاظ کو بھیجا کریں تاکہ ان کا اثر ہو۔ کیونکہ جب تک احساسات کے ساتھ الفاظ نہ نکالے جائیں۔ اثر نہیں کرتے پھر اس کے ساتھ ساتھ قلوب میں ہمدردی اور غمخواری بھی پیدا کی جائے اور اسکے ساتھ پُر احساس آواز نکالی جائے۔ پھر وہ اثر ہوتا ہے۔ جو ضائع نہیں ہوتا ؛

احساسات کیا ہیں؟

احساسات ایک بُو ہے۔ جو خوشبو آتی ہو جو دل کسی کے لئے خون ہو جاتا ہے وہ بُو ہے۔ جو ہوا سے اڑتی ہے۔ اور دوسرے کے ناک میں پڑتی ہے۔ پھر وہ جوش پیدا کر دیتی ہے۔ اور تمام پُرانی عادتیں اور تمام پرانے خیال بدل ڈالتی ہے۔ اور اسکی جگہ نئے جذبات اور نئے ارادے اور نئے خیال پیدا کر دیتی ہے۔ پس ہمارے مبلغین کو خصوصیت کے ساتھ اپنی آواز کے ساتھ احساس پیدا کرنا چاہیئے۔ انکی کوئی آواز نہ ہو۔ جو بغیر احساس کے ہو۔ اور جس کے ساتھ ہمدردی اور سچی غمخواری نہ ہو۔

ایڈریس کے ایک جملہ کی اصلاح

اسکے بعد میں ایڈریس کے ایک جملہ کی طرف توجہ دلاتا ہوں جو اصلاح کے قابل ہے جو یہ ہے کہ مصر کے متعلق جو اس ایڈریس میں یہ کہا گیا ہے کہ "مصر جو علوم و فنون کا گہوارہ ہے"۔ یہ غلط خیال ہے۔ اور یہ بالکل غلط ہے جو میرے کان میں پڑ رہی ہے کہ مدرسہ احمدیہ کے اکثر طلباء کے دل میں یہ ہے کہ ہم اس لئے مصر اپنی تعلیم کے لئے جائیں کہ وہ علوم و فنون کا گہوارہ ہے چنانچہ مجھے ایک دفعہ لکھا گیا ہے جس میں یہی بات کہی گئی ہے۔ لیکن میں انہیں بتلاتا ہوں کہ مصر علوم و فنون کا گہوارہ نہیں کیا صرف اپنی زبان بول لینے سے کوئی ملک یا کوئی شہر یا کوئی قصبہ علوم و فنون کا گہوارہ ہو سکتا ہے۔ جو مصر کے متعلق صرف اسلئے کہ وہ اپنی زبان جو عربی ہے بول سکتا ہے۔ یہ کہا جائے کہ وہ علوم و فنون کا گہوارہ ہے۔ اگر یہ بھینی۔ اگر یہ ننگل اگر یہ کھارہ وغیرہ گاؤں جو قادیان کے اردگرد واقع ہیں علوم و فنون کا گہوارہ ہیں۔ کیونکہ یہ اپنی زبان بول سکتے ہیں تو بے شک مصر بھی علوم و فنون کا گہوارہ ہے ؛

مصر گہوارہ علوم و فنون نہیں

اس سے زیادہ کیا جہالت ہو سکتی ہے۔ کہ کسی ملک کے اپنی زبان بول لینے سے اسے علوم و فنون کا گہوارہ کہہ دیا جائے۔ مصر اور شام اور ایسے ہی بعض دوسرے ملکوں کی زبان ہی عربی ہے۔ پس اگر اس لئے کہ یہ ملک اپنی بولی جو ہے ہی عربی۔ بول سکتے ہیں۔ علوم و فنون کا گہوارہ کہلا سکتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ سرحد اپنی بولی بول لینے کی وجہ سے علوم و فنون کا گہوارہ نہ کہلائے۔ پنجاب اور ہندوستان کے گاؤں اپنی اپنی زبانیں بول لینے کے سبب علوم و فنون کا گہوارہ نہ کہلائیں۔ اس طرح تو دنیا کا کوئی مقام بھی نہیں ہے جو علوم و فنون کا گہوارہ نہ ہو۔ کیونکہ کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں کے لوگ اپنی زبان نہ بول سکتے ہوں۔ دنیا میں ہر جگہ کے لوگ اپنے علاقوں کی بولیاں بولتے ہیں۔ لیکن ان بولیوں کے بول لینے سے وہ علوم و فنون کا گہوارہ نہیں ہو سکتے ؛

مصری اپنی زبان بھی غلط بولتے ہیں

پھر مصر کے لوگ تو اپنی زبان بھی غلط بولتے ہیں لیکن ہم ان کے بالمقابل اپنی زبان کو صحیح بولتے ہیں۔ اور کہاں غلط۔ ہمیں پتہ ہے کہ ہماری زبان کی حرکات کیا ہیں۔ ہم اپنی زبان کے محاوروں کو چستی کے ساتھ برمحل استعمال کرنا بھی جانتے ہیں۔ لیکن مصری اور عربی اور شامی اپنی زبان کو ہماری طرح صحیح استعمال کرنا نہیں جانتے۔ جس طرح ہم اپنی زبان کو درست طور پر استعمال کرتے ہوئے لیکچر دے سکتے ہیں اور گفتگو کر سکتے ہیں۔ وہ اپنی زبان کو صحیح طور پر استعمال کرتے ہوئے نہ لیکچر دے سکتے ہیں اور نہ گفتگو۔ دنیا بھر میں اگر کوئی ملک یا کوئی قوم اپنی زبان بھی صحیح طور پر استعمال نہیں کر سکتی تو وہ عرب ہیں

ہماری زبان ہماری سند ہے

انگلستان میں چلے جاؤ تو اکثر شہری لوگ اپنی بولی صحیح استعمال کرتے ہوئے نظر آئینگے۔ اسی طرح ہندوستانی

بھی اپنی زبان صحیح بول سکتے ہیں۔ وجہ یہ ہے۔ کہ ان ملکوں میں کتاب کا استعمال ہے۔ اور وہاں سند کتاب ہے لیکن ہمارے ملکوں میں ہماری زبان سند ہے۔ پس اگر کوئی زبان جو اپنے علاقے میں بولی جاتی ہو۔ کسی کو علوم و فنون کا گہوارہ بنا سکتی ہے۔ تو اس کا حق ہم کو ہے نہ کہ ان کو۔ کیونکہ وہ تو اپنی زبان بھی درست اور صحیح نہیں بول سکتے۔ اور ہمارا ملک اپنی زبان کو بالکل درست اور صحیح طور پر استعمال کرتا ہے۔

علوم و فنون سے کیا مراد ہے

علوم و فنون سے مراد علوم عالیہ ہوتے ہیں۔ زبان اپنی ذات میں کوئی چیز نہیں۔ یہ صرف اظہار ما فی الضمیر کا ذریعہ ہے۔ اور علم دو ہی ہیں۔ العلم علمان علم الابدان و علم الادیان۔ یعنی علم دو قسم کا ہی ہوا کرتا ہے۔ ایک جسمانی اور ایک روحانی۔ جس سے انسان کی روح کو فائدہ پہنچے۔ وہ علم روحانی ہے۔ اور جس سے انسان کے جسم کو فائدہ پہنچے وہ علم جسمانی ہے۔ مثلاً ڈاکٹری یا انجینئری وغیرہ علم ہیں۔ ان سے جسمانی فائدہ پہنچتا ہے۔ سائنس فلسفہ۔ ہندسہ۔ علم النفس وغیرہ بھی ایک علم ہیں۔ کہ ان سے دماغی اور تمدنی اور معاشرتی ترقی ہوتی ہے۔ اسی طرح اقتصاد بھی ایک علم ہے۔ جس سے نوع انسان کو فائدہ پہنچتا ہے۔ افراد کو افراد کی حیثیت سے بھی فائدہ ہوتا ہے۔ اور قوم کے رنگ سے بھی۔ اس علم کے ذریعے افراد قوم۔ خاندان اور ملک مالی لحاظ سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

مصر میں کوئی علم نہیں

پس کوئی نادان ہی ہوگا۔ جو کہے۔ کہ مصر علوم و فنون کا گہوارہ ہے۔ کیا مصر میں لوگ ڈاکٹری سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ انجینئری سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ علم النفس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ فلسفہ سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ یا مصر میں علم الادیان کا چرچا ہے۔ یا خدا کے کلام کی صحیح تشریح کی جاتی ہے۔ یا خدا تعالیٰ کے احکام کی پابندی میں لوگ سب ملکوں سے آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ وہ کونسا علم ہے جس سے مصر علوم و فنون کا گہوارہ کہلا سکتا ہے؟ ہمارا ملک ہندوستان جو دوسرے ملکوں سے تعلیم میں بہت پیچھے ہے۔ مگر مصر سے بہت بڑھ کر ہے۔ وہ زیادہ اس بات کا حقدار ہے کہ علوم و فنون کا گہوارہ کہلائے۔ کیونکہ مصر کے بالمقابل سینکڑوں گنا زیادہ ہر قسم کے علوم کا یہاں چرچا ہے۔

پورٹ سعید کا مایۂ ناز ڈاکٹر

پورٹ سعید میں ہم آنکھوں کے ہسپتال کو دیکھنے گئے ہم نے سنا۔ کہ یہاں ایک ڈاکٹر ماہر فن مشہور ہیں۔ میری آنکھوں میں چونکہ تکلیف تھی۔ اس لئے ہم نے خیال کیا کہ انہیں ملنا چاہیئے۔ خیر ہم اسے ملنے گئے۔ مختلف باتیں کرتے ہوئے آنکھوں کے ایک خاص قسم کے اپریشن کا ذکر درمیان میں آ گیا۔ لیکن پورٹ سعید کا مایۂ ناز ڈاکٹر کہنے لگا۔ کہ میں نے کیا نہیں۔ لیکن کتابوں میں پڑھا ہے۔ کہ اس قسم کا بھی ایک اپریشن کیا جاتا ہے۔ میں نے اسے کہا۔ کہ یہ تو ایک معمولی سا اپریشن ہے۔ اور ہمارے ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب اس سے واقف ہیں۔ جب اس نے یہ سنا۔ تو کہنے لگا۔ کہ مہربانی کر کے وہ اپریشن مجھے کر کے دکھائیں۔

ٹیگور اور سر اقبال کی تحریریں

مصر میں یا شام میں جو تعلیم ہے۔ وہ بالکل ادنیٰ ہے۔ اور علوم جو وہاں جاری ہیں۔ ان میں وہ ہندوستان سے بہت پیچھے ہیں۔ علم الابدان ہو یا علم الادیان ہر دو میں وہ ہندوستان کی برابری نہیں کر سکتے۔ فلسفہ خیال تو مطلقاً ہند جیسا نہیں۔ ہندوستان میں ٹیگور اور اقبال جیسے آدمی بھی ہیں۔ جن کی تحریریں یورپ جیسے ملکوں میں ترجمہ کی جاتی ہیں۔ اور بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ ان کے بالمقابل کونسا مصری ہے۔ جس کا فلسفہ یورپ کی زبانوں میں ترجمہ کیا گیا ہو۔ اور وہ مقبول ہوا ہو۔ ٹیگور اور اقبال کے فلسفہ کے تو متعدد ترجمے وہاں ہو چکے ہیں۔ یہاں تک کہ جرمنی میں تو ہر جرمن کے ہاتھ میں اس کے کلام کا جرمن ترجمہ نظر آتا ہے۔ ہمارے ایک دوست نے جو جرمن سے ہو آئے ہیں۔ بیان کیا۔ کہ جرمنی میں کیا بچے اور کیا بوڑھے۔ کیا مرد اور کیا عورت ٹیگور کی کوئی نہ کوئی کتاب ہر موقعہ پر اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ اور یہ بات جرمنی لوگوں کے فیشن میں داخل ہو گئی ہے۔ کہ وہ اس کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھیں۔ مگر کیا کوئی بتا سکتا ہے۔ کہ کون وہ مصری ہے۔ جس کی کسی کتاب کا ترجمہ اس قدر مقبول ہوا ہو۔ اور جس کے خیالات کی ان ممالک میں اس قدر عزت کی گئی ہو۔

مذہبی تحریکیں

مصر ایک اسلامی ملک ہے۔ لیکن باوجود اسلامی ملک ہونے کے کوئی مذہبی تحریک وہاں سے پیدا نہیں ہوتی۔ جتنی تحریکیں مذہبی رنگ میں پیدا ہوتی ہیں۔ وہ ہندوستان میں ہی ہوتی ہے۔ لیکن مصر سے کبھی کوئی تحریک پیدا نہیں ہوئی۔ اور اگر کبھی کوئی ہوئی بھی تو وہ وہیں مر گئی۔ اور پھیلی نہیں۔ پھر باوجود اس بات کے کہ نہ وہاں علوم و فنون کا دور دورہ ہے۔ اور نہ باوجود اسلامی ملک ہونے کے کوئی مذہبی تحریک وہاں سے پیدا ہوتی ہے۔ اسے اگر علوم و فنون کا گہوارہ کہا جائے۔ تو حماقت ہے۔

جمال الدین افغانی

جمال الدین افغانی نے مصر میں ایک روح پیدا کی۔ اور جس کے ساتھ مذہبی رنگ بھی تھا۔ لیکن وہ اس ملک کا باشندہ نہیں تھا۔ بلکہ اس ملک میں جا ٹھیرا تھا۔ قدرت سے افغانی کا لفظ اس کے ساتھ رہ گیا۔ وہ دراصل وہاں کا باشندہ نہیں تھا بلکہ افغانستان سے وہاں جا بسا تھا۔ اگر افغانی کا لفظ اس کے نام کے ساتھ قائم نہ رہ گیا ہوتا۔ تو ممکن تھا۔ کہ لوگ اسے مصری سمجھتے۔ مگر مصریوں کی قسمت سے افغانی کا لفظ اس کے نام کے ساتھ باقی رہ گیا۔ ساری تحریکیں جو کبھی کبھی اس ملک میں اٹھتی رہی ہیں۔ وہ جمال الدین افغانی کی ہی ایجاد ہیں۔ مفتی عبدہ اس کا شاگرد تھا۔ اس کے بعد اس نے ان کو قائم کیا۔ اور اس لحاظ سے کہ ساری تحریکیں جمال الدین افغانی کی ہی ایجاد ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ بھی ہندوستان ہی سے گئی ہیں۔ اور مصر سے نہیں اٹھیں۔ غرض ان تحریکوں کے موجد جمال الدین افغانی کی ہی ایجاد ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ بھی ہندوستان ہی سے گئی ہیں۔ اور مصر سے نہیں اٹھیں۔ غرض ان تحریکوں کے موجد جمال الدین افغانی کا مولد یہی ملک ہے۔ اور اگر اس قسم کی تحریکوں کی وجہ سے ہی کسی ملک کو گہوارہ علوم و فنون کہا جاتا ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں۔ کہ ان تحریکوں کی بناء پر مصر کو گہوارہ علوم و فنون کہا جائے۔ کیونکہ یہ سب تحریکیں مصر کے کسی آدمی کی طرف سے پیدا نہیں کی گئیں۔ بلکہ ایک دوسرے ملک کے باشندہ نے ان کو پیدا کیا۔ پس اگر انہیں تحریکوں سے ہی اسے گہوارہ علوم و فنون کہنا ہے۔ تو کیوں نہ افغانستان کو گہوارہ علوم و فنون کہا جائے۔ کہ جہاں کا جمال الدین افغانی رہنے والا تھا۔

مصر میں طلباء کا بھیجنا

پس مصر میں اگر کسی چیز کے لئے ہم طلباء کو بھیج سکتے ہیں۔ تو یہ ہے۔ کہ وہاں کے لوگ عربی زبان بول سکتے ہیں۔ اور جن میں رہ کر یہ عربی بولنا سیکھ سکتے ہیں۔ کیونکہ اردگرد عربی بولنے والے ہی ہوتے ہیں۔ وہاں اگر کچھ ہو سکتا ہے۔ تو عربی بولنے کی مشق ہو سکتی ہے۔ اعراب کی مشق اپنے علم سے اور بولنے کی مشق ان سے۔ پس زیادہ سے زیادہ اگر کسی چیز کے لئے ہم طلباء کو وہاں بھیج سکتے ہیں۔ تو عربی بولنا سیکھنے کے لئے نہ کہ اس لئے کہ وہاں کوئی ایسے علوم و فنون جاری ہیں۔ جو ہندوستان میں نہیں۔ یا جو ہندوستان سے بڑھ کر ہیں یاد رکھو۔ ہندوستان سے بڑھ کر وہاں کچھ بھی نہیں۔ بلکہ وہاں جو کچھ ہے۔ وہ ہندوستان سے اقسام اور کیفیات

ہر دو میں بدرجہا کم ہے +

مصر خود عربی سیکھ رہا ہے

بیشک اب وہاں تحریکیں شروع ہوئی ہیں۔ اور اس لحاظ سے ایک حد تک وہ ان کا گہوارہ کہلا سکتا ہے۔ لیکن اس لحاظ سے کہ وہ ہم سے علم و فنون میں بڑھے ہوئے ہیں۔ اور ہم ان سے کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ وہ ہرگز کسی بات کا گہوارہ کہلانے کا مستحق نہیں۔ رہی زبان۔ تو تم کتنا ہنسو گے۔ اگر تمہیں یہ معلوم ہو جائے۔ کہ یہ لوگ تو ابھی اسے سیکھ ہی رہے ہیں۔ بیشک وہ عربی بول سکتے ہیں۔ لیکن وہی عربی جو وہاں مروج ہے۔ لیکن وہ عربی جو علوم و فنون کی حاوی ہو سکتی ہے۔ یا کسی زبان کے ادبی کمال تک پہنچی ہوتی ہے۔ وہ ابھی ان کے پاس نہیں۔ اسے وہ سیکھ رہے ہیں۔ تم اگر یہ سنو کہ دہلی کے لوگ اردو سیکھ رہے ہیں۔ تو تمہیں ہنسی پیدا ہوگی یہی حال مصریوں کا ہے۔ میں جب ۱۹۱۲ء میں وہاں گیا۔ تو ان کی بولی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ لیکن اب ان کی بولی میں فرق ہے۔ اب سمجھ میں آجاتی ہے۔ کیونکہ اب وہ اسے سیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن ابھی کچھ شک نہیں۔ کہ وہ روانی کیساتھ بول سکتے ہیں۔ اور اسی بات کے سیکھنے کے لئے ہم بعض لڑکوں کو وہاں بھیجتے بھی ہیں +

اپنی اپنی زبان میں مقابلہ

ہمارا اور ان کا مقابلہ اپنی اپنی زبانوں میں ہو سکتا ہے۔ جس طرح ہم اپنی زبان کو صاف اور صحیح اور درست بول سکتے ہیں۔ مصری یا شامی نہیں بول سکتے۔ ہر ملک کی زبان ہوتی ہے۔ اور یہ قدرتی بات ہے۔ کہ اس ملک کا ہر فرد بشر اس سے واقف ہو۔ لیکن باوجود اس کے کہ کسی ملک کے باشندوں کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے ملک کی زبان سے واقف ہوں۔ پھر بھی اگر کوئی اس سے واقف نہ ہو۔ اور اس کو صحیح طور پر استعمال نہ کرے۔ تو وہ ہرگز ہرگز اس ملک کے باشندوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جو اپنے ملک کی زبان کو بالکل صحیح استعمال کرتے ہوں۔ ہندوستان اور مصر میں یہ مابہ الامتیاز ہے۔ کہ مصر کے لوگ اپنے ملک کی زبان صحیح نہیں بولتے۔ اور ہندوستان کے لوگ اپنے ملک کی زبان کو بالکل صحیح استعمال کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ان کی زبان سند ہے۔ اور ان کی نہیں +

شیخ محمود احمد صاحب مجاہد مصر کے متعلق

آخر میں میں اس امر پر بھی خوشی کا اظہار کرتا ہوں۔ کہ شیخ محمود احمد صاحب جس غرض کے لئے مصر گئے تھے۔ اس کو انہوں نے اچھی طرح پورا کیا ہے۔ ان کی غرض یہی تھی۔ کہ وہ ان میں رہ کر زبان کو سیکھیں۔ سو انہوں نے ان کے ڈھب میں بولنا سیکھا ہے۔ اور میں دیکھ رہا ہوں۔ انہوں نے خطبوں میں مصریوں کے طریق خطبہ کا ہر وقت لحاظ رکھا۔ بعض ملکوں کے کیریکٹر ہوتے ہیں۔ اور ان کی کچھ خصوصیات ہوتی ہیں۔ جو دوسروں میں اور ان میں امتیاز پیدا کرتی ہیں۔ اور جو بطور معیار کے ہوتی ہیں۔ پھر بعض ملکوں میں ابھی تک یہ باتیں پیدا نہیں ہوئی تھیں۔ ان میں سے بعض نے یہ باتیں پیدا کر لی ہیں۔ چنانچہ ہر امر میں انہوں نے خصوصیات پیدا کیں۔ یہاں تک کہ فن تقریر میں بھی اس امتیاز کو پیدا کیا۔ لیکن ہندوستان کی تقریر کے فن کا کوئی معیار ابھی تک قائم نہیں ہوا۔ جو جس طرح چاہتا ہے تقریر کر لیتا ہے۔ اور اس میں ہی ان کو مزا بھی آتا ہے اور اس کی وجہ بھی ہے۔ کہ یہاں مختلف رسم و رواج رکھنے والی قومیں آباد ہیں۔ مگر دوسری قوموں میں ایک نظام تقریر مقرر ہو گیا ہے۔ اور میں خوش ہوں۔ کہ شیخ صاحب نے اس نظام تقریر کو سیکھا۔ اور اپنی ہر تقریر میں اسے مدنظر بھی رکھا۔ اور اپنا سارا کلام مصریوں کی طرح کیا۔ پس یہ ان کی کوشش قابل تحسین ہے۔ شیخ صاحب نے مصری انداز میں تقریر کی ہے۔ یہ طریق بتاتا ہے۔ کہ ان لوگوں کو کیریکٹر بنانے کا اگر خیال ہے۔ تو صرف بولنے میں اور اس کیریکٹر کو شیخ صاحب نے خوب مطالعہ کیا ہے

دعا

مجھے آج بولنا نہیں چاہیئے تھا۔ کیونکہ ڈاکٹروں نے مجھے زیادہ بولنے سے منع کیا ہوا ہے۔ اور ابھی میں نے خطبہ جمعہ بھی بیان کرنا ہے۔ اسلئے میں یہیں بس کرتا ہوں۔ اور سمجھتا ہوں۔ کہ جو باتیں میں نے بیان کی ہیں۔ وہ ضروری ہیں۔ پس میں اس دعا پر اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں۔ کہ اللہ تعالےٰ ہمارے طالب علموں کو اس مقصد کے پورا کرنے والا بنائے۔ کہ جس مقصد کے لئے یہ دینی تعلیم انہوں نے پانی شروع کی ہے۔ اور انہیں خدا ترقی عطا فرمائے۔ اور ان کے علموں اور ان کی زبانوں میں برکت ڈالے۔ اور انہیں ہر اس بات کے حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ جو دین کی خدمت کے لئے ان کی ممد ہو سکتی ہے +

(اشتہار زیر آرڈر ۵ رول ۲۰ ضابطہ دیوانی)

بعدالت جناب چوہدری محمد لطیف صاحب سب جج درجہ چہارم جھنگ

بمقدمہ

دوکان پیرو رام سوہنا رام بذریعہ پیرو رام ولد گنگا رام قوم کھرباٹ سکنہ کالو والہ تحصیل شورکوٹ بنام صلحا

دعویٰ — ۱۳۹ روپے بابت

اشتہار زیر آرڈر ۵ رول ۲۰۔ بنام صلحا ولد ماچھی ذات کوڈین سکنہ چاہ ڈیرہ والہ داخلی لگنی کہنہ تحصیل شورکوٹ

درخواست مدعی پر عدالت کو اطمینان ہو گیا ہے۔ کہ مدعا علیہ دیدہ دانستہ تعمیل سمنات سے گریز کر رہا ہے۔ لہذا اس کے نام اشتہار زیر آرڈر ۵ رول ۲۰ جاری کیا جاتا ہے۔ کہ مدعا علیہ مورخہ ۱۱/۵/۲۶ کو حاضر عدالت ہذا ہو کر پیروی مقدمہ کی کرے۔ ورنہ کارروائی یکطرفہ عمل میں لائی جاوے گی۔ ۳۰/۴/۲۶

مہر عدالت دستخط حاکم

(اشتہار زیر آرڈر ۵ رول ۲۰ ضابطہ دیوانی)

بعدالت جناب چوہدری محمد لطیف صاحب سب جج درجہ چہارم جھنگ

بمقدمہ

لدھا رام ولد کاہن داس بجاج سکنہ چک ۵ بنام میکل احمد بخش تحصیل شورکوٹ مدعی

دعویٰ مبلغ -/۹۰ روپے بابت

اشتہار بنام میکل احمد بخش ولد غازی ذات عیسائی سکنہ چک ۵ تحصیل شورکوٹ

درخواست مدعی پر عدالت کو اطمینان ہو گیا ہے۔ کہ مدعا علیہ دیدہ دانستہ تعمیل سمنات سے گریز کر رہا ہے۔ لہذا مدعا علیہ کے نام اشتہار زیر آرڈر ۵ رول ۲۰ جاری کیا جاتا ہے۔ کہ مدعا علیہ مورخہ ۱۱/۵/۲۶ کو حاضر عدالت ہذا ہو کر پیروی مقدمہ کی کرے۔ ورنہ کارروائی یکطرفہ عمل میں لائی جاوے گی۔ ۲۹/۴/۲۶

دستخط حاکم مہر عدالت

جناب سب جج لالہ رگھو ناتھ لعل بھٹرہ۔ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی سب جج بہادر پنڈ دادنخاں

دوکان موسومہ محمد دین فضل الٰہی وغیرہ سکنہ للہ۔ تحصیل پنڈ دادنخاں مدعی بنام دوکان محمد عبدالرشید سکنہ بٹالہ مدعا علیہ

دعویٰ — -/۱۴۱

اشتہار زیر آرڈر ۵ قاعدہ نمبر ۲۰

(مجموعہ ضابطہ دیوانی)

بنام دوکان میاں عبدالرشید عبدالقیوم دوکاندار جوتہ سکنہ بٹالہ

درخواست مدعی سے پایا گیا ہے۔ کہ مدعا علیہ دیدہ دانستہ تعمیل سمن سے گریز کرتا ہے۔ لہذا اشتہار حسب آرڈر مذکور ضابطہ دیوانی جاری کیا جاتا ہے۔ کہ اگر مدعا علیہ اصالتاً یا مختارتاً ماہ ۱۲/۶ کو حاضر عدالت ہو کر جوابدہی مقدمہ نہ کرے گا۔ تو اس کے برخلاف کارروائی یکطرفہ کی جائے گی۔

آج بتاریخ ۲۸/۴/۲۶ میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری ہوا۔

اشتہار زیر آرڈر ۵ رول ۲۰

بعدالت جناب چوہدری محمد لطیف صاحب سب جج درجہ چہارم۔ جھنگ

بمقدمہ

ہندو خاندان مشترکہ چودھری کھیم چند۔ پھرایا رام بذریعہ کھیم چند ولد چودھری لدھا رام شہر ۱ سکنہ کوٹ خان تحصیل جھنگ مدعی۔ بنام خدایار

دعویٰ -/۲۵۰ روپے بابت

اشتہار بنام خدایار و محمد پسران فتا اقوام مڑل سکنائے گوہانہ متصل لانگ جنوبی تحصیل جھنگ

درخواست مدعی پر عدالت کو اطمینان ہو گیا ہے۔ کہ مدعا علیہ دیدہ دانستہ تعمیل سمنات سے گریز کر رہے ہیں۔ لہذا ان کے نام اشتہار زیر آرڈر ۵ رول ۲۰ جاری کیا جاتا ہے۔ کہ مورخہ ۱۴/۵/۲۶ کو حاضر عدالت ہذا ہو کر پیروی مقدمہ کی کریں۔ ورنہ کارروائی یکطرفہ عمل میں لائی جاوے گی۔ ۲۸/۴/۲۶

مہر عدالت دستخط حاکم

اشتہار زیر آرڈر ۵ رول ۲۰

بعدالت جناب چوہدری محمد لطیف صاحب سب جج درجہ چہارم جھنگ

بمقدمہ

دوکان سلامت رام خان چند بذریعہ سلامت رام ولد فتح چند ذات سچدیو سکنہ بھاونہ دیروان تحصیل جھنگ مدعی بنام بہادر خان

دعویٰ مبلغ معہ بروئے بہی کھاتہ

اشتہار بنام داد خان ولد گل خان ذات کھوکھر سکنہ سبھاگہ تحصیل جھنگ

درخواست مدعی پر عدالت کو اطمینان ہو گیا ہے۔ کہ مدعا علیہ دیدہ دانستہ تعمیل سمنات سے گریز کر رہا ہے لہذا اشتہار زیر آرڈر ۵ رول ۲۰ اس کے نام جاری کیا جاتا ہے۔ کہ مورخہ ۱۲/۵/۲۶ کو حاضر عدالت ہذا ہو کر پیروی مقدمہ کی کرے۔ ورنہ کارروائی یکطرفہ عمل میں لائی جاوے گی۔ ۲۸/۴/۲۶

مہر عدالت۔ دستخط حاکم

الفضل کی نسبت

احباب کرام کو چاہیئے۔ کہ حساب کتاب اور پرچے کے پہنچنے نہ پہنچنے کے متعلق ہر قسم کی کاروباری خط و کتابت بنام مینیجر الفضل کیا کریں۔ اور مضامین بنام ایڈیٹر۔ نام لکھنے کی ضرورت نہیں۔

رپورٹ نظارت دعوۃ و تبلیغ

نقل و حرکت مبلغین

مولوی غلام رسول صاحب راجیکی کے قیام کراچی کی میعاد میں توسیع کردی گئی ہے۔ کیونکہ مولوی صاحب کا کام کراچی میں بہت مفید اور نتیجہ خیز معلوم ہوا ہے۔ مولوی ابراہیم صاحب بقاپوری رخصت سے واپس ہوکر سندھ پہونچ گئے ہیں۔ اور اپنے مرکز روہڑی سے کام کر رہے ہیں۔ اور ۲۸ اپریل کو گمال ڈیرہ میں ایک مباحثہ پر تشریف لے گئے۔ (۲) مولوی غلام احمد صاحب مجاہد مولوی فاضل علاقہ سرگودہا میں چکوک نوآبادی کا دورہ کرکے ۳ مئی سرگودہ تشریف لے گئے ہیں۔ اور مولوی حافظ جمال احمد صاحب نواح سرہند ریاست پٹیالہ میں تبلیغی دورہ کر رہے ہیں۔

مولوی غلام رسول صاحب لنگوی کا تقرر شہر جھنگ میں کیا گیا ہے۔ جہاں پہونچکر انہوں نے کام شروع کردیا ہے۔

مولوی حافظ غلام محمد صاحب بی۔ اے کو ماریشس سے ۹ سالہ خدمات تبلیغ سر انجام دینے کے بعد مراجعت وطن کی اجازت دی گئی ہے۔

سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ۴ اپریل کو بصرہ سے روانہ ہوکر کراچی پہونچے ہیں۔ اور جماعت کراچی کی درخواست پر چند روز وہاں ٹھیرے ہیں۔

اے۔ پی۔ ابراہیم صاحب مبلغ کولمبو سیلون رخصت پر اپنے وطن مالابار میں ہیں۔

مولوی عبد الواحد صاحب مرحوم مبلغ برہمن بڑیہ بنگال کی جگہ ان کے صاحبزادے میاں محمد سعید صاحب تبلیغ کا کام کر رہے ہیں۔

تقاریر و مباحثات

موضع کھڈیاں ضلع لاہور کی انجمن اہلحدیث نے ایک خاص آدمی قادیان بھیجا تھا۔ ستیہ دیو آریہ کے مقابلہ میں کوئی مبلغ وہاں جائے۔ اس درخواست پر مولوی اللہ دتا صاحب مولوی فاضل کو فوراً بھیجدیا گیا۔ مگر ستیہ دیو نے مباحثہ سے انکار کیا۔ اور مولوی صاحب نے ۲۲ اپریل کو آریہ سماج کے جلسہ پر قصور میں نجات پر مضمون پڑھا۔ جو بہت توجہ سے سنا گیا۔

مین پوری کے مسلمانوں کی درخواست پر مولوی محمد یار صاحب مولوی فاضل کو آریہ سماج کے جلسہ میں الہام پر مضمون پڑھنے کے لئے بھیجا گیا۔ مولوی صاحب ۲۳ اپریل کو وہاں پہونچ گئے۔ اور ۲۵ کو آپ نے مضمون پڑھا جس کا پبلک پر بفضلہ تعالےٰ بہت اچھا اثر رہا۔

مولوی غلام احمد صاحب مجاہد نے آریہ سماج کانفرنس گوجرہ میں "عالمگیر مذہب" پر اپنا مضمون سنایا۔

ہلٹور ضلع بجنور کا مباحثہ دیوبندی صاحبان کے عملی فرار کے باعث ملتوی ہوگیا ہے۔ ڈپٹی نثار حیدر صاحب محرک مباحثہ حضرت مسیح موعودؑ کی کتب کا محبت کیساتھ مطالعہ کر رہے ہیں۔

علاقہ راولپنڈی میں شیعہ حضرات سے تبادلہ خیالات کے لئے خط و کتابت ہو رہی ہے۔

مساجد و مدارس ممالک خارجہ

لنڈن مسجد کی عمارت قریب الاختتام ہے۔ لنڈن میں عید الفطر کی نماز شاندار طور سے ہوئی۔ افتتاح مسجد کی تیاریاں کی جارہی ہیں۔

سالٹ پانڈ گولڈ کوسٹ کے مدرسہ کی عمارت جس پر قریباً تیس ہزار روپیہ خرچ ہو چکا ہے۔ مارچ میں مکمل ہو چکی ہے۔ مدرسہ کو سرکاری امداد دی جانے کی درخواست کردی گئی ہے۔

تعلیم الاسلام ہائی اسکول لیگوس نائیجیریا کی عمارت بھی مکمل ہو رہی ہے۔ مدرسہ ترقی پر ہے۔

میدان ارتداد

علاقہ ارتداد میں گو آریوں نے تازہ حملے شروع کر دیئے ہیں۔ اور بعض ریاستیں خصوصیت سے ارتداد میں حصہ لے رہی ہیں۔ تاہم ہمارے مبلغین خدا کے فضل سے شاندار کام کر رہے ہیں۔ اور علاقہ فرخ آباد میں بعض شدھیاں توڑنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

نتائج تبلیغ

باقاعدہ و آنریری مبلغین کی کوششوں کے نتائج میں ماہ مارچ میں ۱۲۷ نفوس سلسلہ عالیہ میں داخل ہوئے۔ اور علاوہ اس کے اوائل اپریل میں ایک گاؤں کے ۱۲ آدمیوں نے بیعت کی۔

(عبد الرحیم نیر۔ قائم مقام ناظر دعوت و تبلیغ)

اعلانات

احمدی حاجیوں کو اطلاع

ڈاکٹر عبد العزیز صاحب احمدی سول ہسپتال۔ کریٹر۔ عدن چاہتے ہیں۔ کہ جو احمدی احباب حج کو جائیں ان سے ملیں۔ اور خط کے ذریعہ سے پہلے اطلاع دیدیں۔

(ناظر اعلےٰ)

چندے کے متعلق

جماعت میں مقامی منتخب شدہ افسروں کا فرض ہے۔ کہ وہ چندہ باقاعدہ اور فی روپیہ کم سے کم ادا کرنے والے ہوں۔ جہاں اور قابلیتیں انتخاب کے وقت دیکھی جائیں وہاں مالی قربانی کرنے والے احباب کی اس قربانی اور بعض کی دوسری قربانیاں جو جسمانی ہیں۔ گو مالی نہ ہوں۔ ملحوظ رکھی جائیں۔ ہر انجمن اپنے کارکنوں میں ان امور کا ہونا دیکھ لیا کرے۔

(ذوالفقار علی خاں۔ قائم مقام ناظر اعلےٰ)

کوئی تحریک بجز اجازت مرکز نہ ہو

تمام جماعتوں کو اس بات کا علم ہونا چاہیئے۔ کہ کوئی جماعت یا افراد بغیر منظوری مرکز سوائے مقامی ضروریات کے کسی قسم کا چندہ نہیں کرسکتے۔ بعض جماعتیں غلطی سے ایسا کرلیتی ہیں۔ عہدہ داران جماعت اور دوسرے احباب کو چاہیئے۔ کہ ایسے چندے نہ کریں۔ جب تک کہ مرکز سے تحریری اجازت ان کے پاس نہ آجاوے۔ اور نہ جماعتیں بغیر منظوری کے ایسے چندے طلب کریں۔ والسلام

(محمد اشرف قائم مقام ناظر بیت المال)

ضرورت ہے

ضلع اٹک کے ایک اسلامیہ سکول کے لئے مندرجہ ذیل ٹیچروں کی ضرورت ہے۔

دو نارمل پاس۔ ایک ایس۔ اے۔ وی۔ یا بی۔ اے۔ ایک مولوی فاضل یا مولوی جو مڈل کی جماعتوں کو عربی پڑھا سکتا ہو۔ جو صاحب یہاں پر ملازمت کرنا چاہیں۔ اپنی اپنی درخواست معہ نقول سارٹیفکیٹ درخواست پر سرنامہ چھوڑکر دفتر ہذا میں بھیجدیں۔ یہاں سے منزل مقصود تک پہنچا دی جاویں گی۔

نیز درخواستوں کے ساتھ تصدیق چال چلن۔ و احمدیت۔ سکرٹری امور عامہ یا امیر جماعت مقامی کے کراکر بھجوادیں۔ والسلام

(عبد المغنی۔ قائم مقام ناظر امور عامہ)

تصحیح

اخبار الفضل ۱۰۳ مورخہ ۲۰ اپریل ۱۹۲۶ء میں بنگہ کے عمر الدین صاحب کھٹیک اور میاں اللہ بخش صاحب کھٹیک کا جماعت احمدیہ سے اخراج کیا گیا ہے۔ احباب تصحیح فرمالیویں۔ یہ اس لئے لکھنا پڑا کہ بعض لوگوں نے ان کے علاوہ آدمیوں پر شک کرنا شروع کردیا تھا۔ کہ ان کا اخراج ہوگیا ہے۔ اس لئے اب وضاحت کرنی پڑی۔ بنگہ میں میاں عمر الدین صاحب لیمپ ایجنٹ اور میاں اللہ بخش صاحب ایس جی ہیں۔ وہ اس اعلان کی زد میں نہیں ہیں۔ والسلام

(ذوالفقار علی خاں ناظر تعلیم و تربیت)

(منشی عبد الرحمٰن صاحب انجینئر قادیانی پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھاپ کر مالکان کے لئے قادیان سے شائع کیا)